رسائل
۵۴۵

اسلامی دنیا
بدایوں

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر ایس عنایت علی شاہ
نقوی

اغراض ومقاصد

۱۔ غیر مسلم حضرات کے سامنے حقایق اسلام کو بے نقاب پیش کرنا۔

۲۔ مسلم طبقہ میں رواداری کی مستقل لہر دوڑانا۔

۳۔ فرقہ وارانہ اختلافات اور کشیدگیوں کی خلیج کو لگاتار پاٹنے کی کوشش کرنا۔

۴۔ احباب کو مخلص اور مخالفین کو دوست بنانا۔

۵۔ حقیقی علمبرداران اسلام کی سوانح حیات اور انکی علمی اور اخلاقی تعلیم کو اصلی رنگ میں پیش کرنا۔

۶۔ دنیائے اسلام کے اہم مسائل پر صحیح تنقید و تبصرہ کر کے غیر مسلم حضرات کی غلط فہمیوں کو رفع کرنا۔

۷۔ رعیت اور راعی کے تعلقات کو خوش گوار بنانا۔

۸۔ قرآن مجید کے متعلق جو شبہات پیدا کئے جاتے ہیں انکو بہترین شایستہ زائل کرنا اور ایسی چیزیں دنیا کے سامنے پیش کرنا جو عام فہم غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے ہر با فہم انسان کو شیدائے اسلام بنا رہیں

۹۔ مسلمات [illegible]

[illegible] سے بچے ہمدرد شیعہ و [illegible] حضرات جو ملک میں کافی روشناس ہیں ہونگے۔

۱۱۔ حضرات علمائے اعلام کثیر اللہ امثالہم اپنے بیش بہا افادات سے اس رسالہ کی وقتاً فوقتاً اعانت فرماتے رہیں گے۔

۱۲۔ غیر مسلم حضرات جو شاہیر اسلام سے عقیدت رکھتے ہیں اُن کا کلام نظم و نثر بھی اس رسالہ میں درج ہوا کریگا۔

[illegible]

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کے آخری ہفتہ میں بدایوں سے شائع ہوا کرے گا۔

۲۔ سالانہ چندہ عام شائقین سے چار روپیہ ہوگا۔

۳۔ بیرون ہند سے ساڑھے سات شلنگ ہوگا۔

۴۔ یہ رسالہ مخصوص غیر مسلم اداروں میں اور کتب خانوں میں بلا قیمت بھیجا جائے گا۔

۔ بلا وصول قیمت پیشگی پرچہ روانہ نہ ہوگا جو حضرات وی پی کی اجازت دینگے اُن کا اخلاقی فرض ہوگا کہ وہ اسے [illegible] فرمائیں

۶۔ جملہ خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر ہونا چاہیے۔

۷۔ جملہ ارسال زر بنام منیجر ہونا چاہیے

۸۔ جن حضرات کے پاس رسالہ [illegible] تک نہ پہنچے وہ دفتر کو اطلاع دے کر منگوا سکتے ہیں۔

چندہ سالانہ للعہ
بیرون ہند S......

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

اسلامی دنیا

زیر سرپرستی

حضرت قمر الواعظین لسان الملۃ ناصر الشریعت ثقۃ الاسلام مولٰنا مولوی محمد بقا علی صاحب حیدری ظلہ العالی

مدیر مسئول

حکیم ڈاکٹر مولوی سید عنایت علی شاہ نقوی ایل۔ ڈی۔ ای۔ ایم۔ ایس۔ ایس۔ ایچ۔ اے۔ ایچ۔ پی لکھنؤ

جلد ۵ | نمبر

فہرست مضامین بابتہ ماہ مارچ واپریل ومئی سنہ ۱۹۴۱ء

شذرات

خداوند عالم کے فضل و کرم اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی توجہ خاص سے باوجود گوناگوں دشواریوں اور رکاوٹوں کے اسلامی دنیا کا چوتھا سال ختم ہوگیا اور اس خاصۂ آل عبا کے خادم نے پانچویں سال میں قدم رکھا۔ ابھی تک دشواریاں کم نہیں ہوئی ہیں بلکہ آئے دن نئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پھر بھی ہم قدم ہمت آگے بڑھائے چلے جاتے ہیں اور صرف اس امید پر زندہ ہیں کہ ہمارا دور محن و ابتلا آخر کبھی تو ختم ہوگا۔ ہمارے پیش نظر ایک ایرانی شاعر کا شعر ہے ؎

نسیم مژدہ کہ ایام غم نخواہد ماند!
چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند!

ہمارا سال ایام عزا سے شروع ہوا اور مظلوم کربلا کے سوگواروں کو ابھی ایام عزا کی مصروفیت سے مہلت نہ ملی تھی کہ سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کی وفات کے سانحۂ عظمیٰ نے سوگواروں کے دلوں کو برما دیا۔ سرکار نجم العلماء کے سانحہ کے متعلق ملک کے مشہور اخبارات میں بہت سے مقالے شائع ہوچکے ہیں اور ہم اس سلسلہ میں کچھ اور لکھنا نہیں چاہتے صرف اس قدر ضرور عرض کریں گے کہ یہ ناقابل تلافی نقصان ہماری قوم کی بدنصیبی کی بدترین مثال ہے۔

معاصر سرفراز نے جس کی نقل غالباً الواعظ نے کی ہے جناب قبلہ و کعبہ کے حالات زندگی شائع کرنے میں بہت کوشش کی اور اُن جناب کے سوانح حیات کے سلسلہ میں شاگردوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہم بحث و مباحثہ میں پڑنا اچھا نہیں سمجھتے ہیں اس لیئے کسی دینی ادارہ، اخبار یا رسالہ کے شائع کردہ مضامین پر کبھی نقد و تبصرہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا لیکن اس مرتبہ بعض فرو گزاشتوں نے مجبور کیا کہ کچھ لکھا جائے۔

کسی اُستاد کے شاگردوں کی فہرست اُسی وقت وقیع ہوسکتی ہے جبکہ اُستاد کو شاگردوں پر اور شاگردوں کو اُستاد پر فخر ہو۔ آج نہ اُستاد معظم کا وجود ہے نہ شاگرد وہ ہیں جن کے نام لیئے ہیں۔ سوائے چند بزرگواروں کے کوئی اور موجود ہے جو یہ اندازہ کیا جاسکے کہ کس شاگرد کو اُستاد پر فخر ہے اور کس شاگرد پر اُستاد کو ناز تھا لیکن میرے علم و اطلاع میں کم از کم دو ہستیاں ایسی گزری ہیں جن پر حضرت نجم العلماء کو ناز تھا اور جو اُن کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ ایک حضرت اُستاذی علام ممتاز العلماء جناب مولٰنا سید ابوالحسن صاحب قبلہ عرف جناب منن صاحب تھے اور دوسرے حضرت اُستاذی علام مستند العلماء

فخر الحاج والمعتمرین جناب مولنا شیخ محمد اعجاز حسن صاحب طاب ثراہ تھے یہ دونوں بزرگوار سرکار نجم العلماء کے تلمذ علیہ تھے اور آخر الذکر بزرگ تو ایسے مطیع اور فرماں بردار تھے کہ اپنی مستقل ملازمت شیعہ کالج سے استعفا دے کر صرف اُستاد معظم کی تعمیل ارشاد کے واسطے مدرسۃ الواعظین میں آنریری کام کرنے کے واسطے آئے۔ کتب خانہ کو درست کیا۔ اسپیشل کلاس کی تعلیم اپنے ذمہ لی اور تحریری و تقریری حیثیت سے ہر موقع پر ایسی خدمات دینیہ انجام دیں کہ جناب قبلہ وکعبہ کو انتہا درجہ کی مسرت ہوئی اور حضرت نجم العلماء علی اللہ مقامہ کی وفات کے وقت تک اُن کو اپنا فرزند سمجھا اور اُن کی خداداد قابلیت اور ذہانت نیز حد درجہ کی تندہی وجفاکشی پر ہمیشہ فخر فرماتے رہے۔ ان دونوں بزرگوں کا سلسلہ شاگردان میں تذکرہ نہ ہونا سخت حیرت واستعجاب کا باعث ہے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ لائق سوانح نگاروں کو لکھنؤ میں رہتے ہوئے ان بزرگ ہستیوں کا علم نہ تھا یا خدانخواستہ یہ اس قابل نہ تھے کہ سلسلہ شاگردان میں ان کا ذکر کیا جائے۔

ابھی سرکار نجم العلماء کی وفات حسرت آیات کا صدمہ والم کم نہ ہونے پایا تھا کہ دُنیائے اسلام اُس صدمہ والم سے متاثر ہوگئی جو سلطان عالم کے محبوب ترین بادشاہ سرکار اعلیحضرت سلطان العلوم وسلطان المسلمین کو علیا معظمہ بڑی بیگم صاحبہ مرحومہ کی وفات کی وجہ سے پہونچا۔ ہمارے خیال میں دُنیائے اسلام کا گوشہ گوشہ شہریار دکن وبرار کے اس غم میں شریک ہے۔ حیدرآباد فرخندہ بنیاد کی سرزمین کا ہر ذرہ اپنے مالک کے ساتھ شریک غم تھا اور اخبارات میں یہ خبر شائع ہوچکی ہے، کہ علیا معظمہ مرحومہ کے جنازہ کے ساتھ لاکھوں کی تعداد میں ہر قوم وملت کے لوگ موجود تھے اور نماز جنازہ میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ نفوس کا مجمع تھا۔ مولانا سید شاہ حسین صاحب کو جو اُن معظمہ کے قدیمی عالم کے فرزند ہیں نماز جنازہ پڑھانے کی عزت حاصل ہوئی اور غالبًا اتنا شاندار جنازہ اور اس شان کی نماز جنازہ ہندوستان کی تاریخ میں اپنی آپ نظیر ہے۔ خداوند عالم سرکار اعلیحضرت خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کا سایہ بلند پایہ ابد قرار قرار دے اور حضور پرنور کے قلب مبارک کو اس صدمۂ عظیم میں صبر عطا فرمائے۔ آمین۔ مختلف مقامات پر تعزیتی جلسے ہوئے ہونگے۔ رزولیوشن پاس ہوئے ہونگے تار اور معروضے حضور پرنور کی خدمت مبارک میں بھیجے گئے ہونگے لیکن غالبًا ہماری وہ مستورات کی مجلس تعزیت جو بیگم حیدری نے علیا معظمہ کے ایصال ثواب کے واسطے منعقد کی اور بعد ختم مجلس دعاء مغفرت کی گئی خداوند عالم علیا معظمہ کے درجات عالی فرمائے آمین۔

دو سال سے متواتر یہ درخواست کی جاتی ہے کہ جن حضرات کے ذمہ بقایا ہے وہ اپنی مذہبی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اُس بار سے سبکدوشی حاصل کریں سوائے ۲-۵ حضرات کے نہ کسی نے رسالہ واپس کیا۔ نہ انکاری خط لکھا نہ رقم ہی ادا کی۔ اب اس تغافل سے ہم کیا سمجھیں؟ خدا ہماری قوم کو قوت احساس وما دہ فرض شناسی عطا فرمائے اُس وقت ہمیں کیا زندگی کے ہر شعبہ میں کسی کو بھی شکایت کا موقع نہ ملے گا۔

ہم بار بار عرض کرچکے ہیں کہ رسالہ اسلامی دُنیا واصلاح درالذکر کسی شخصی منفعت یا حصول نام ونمود کے واسطے جاری

نہیں کیا گیا ہے۔ ارکان ادارہ محض قربۃً الی اللہ خدمت انجام
دیتے ہیں اور جناب قمر الواعظین مدظلہ العالی سرپرست
رسالہ نے اپنی تحریر اور متعدد تقریروں میں نیز نجی صحبتوں
میں اپنے مخصوص احباب کے روبرو اس امر کو ظاہر فرمایا
ہے کہ رسالہ میں بعض کمزوریاں موجود ہیں جن کے دور کرنے
کی کوشش کی جا رہی ہے اور ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں
وہ سب خامیاں دور ہو جائیں اور رسالہ علاوہ وقت پر
شائع ہونے کے اُن تمام خوبیوں کا حامل ہو سکے جو ہمارا
نصب العین ہے لیکن پھر بھی جو دینی خدمت کم از کم یہ
رسالہ انجام دے رہا ہے وہ قدر شناس ہمدردان مذہب
کے نزدیک بہت زیادہ ہے۔ ہم خدا کا شکر کرتے ہیں
کہ باوجود کثرت موانع کے جن کی تفصیل غیر ضروری ہے رسالہ کے
قدر دانوں کی فہرست میں آئے دن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

صرف اس قدر ضرورت ہے کہ فہرست خریداران
صحیح ہو جائے اور بقایا اگر خدانخواستہ وصول نہ ہو سکے
تو بقایاداران حضرات کم از کم اس ذمہ داری سے سبکدوش
ہو جائیں۔ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ یا تو رقم بذریعہ
منی آرڈر بھیجدی جائے یا صرف ۵ خرچ کر کے یہ لکھدیا
جائے کہ رسالہ نہ بھیجا جائے اور بقایا ادا نہیں کیا جائیگا
بس پھر فہرست بھی درست ہو جائے گی اور ہماری پریشانی
ایک حد تک کم ہو جائے گی دیکھیں اس آخری اپیل کا کیا اثر ہوتا ہے۔

ہمارے معزز دوست مولانا اعجاز جارچوی صاحب
زاد فضلہ نے آج سے تین سال قبل سلور جوبلی نمبر کی نسخوں
سے پریشان ہو کر فیض آباد سالانہ مجلس میں حضرت
قمر الواعظین سے خواہش کی تھی کہ وہ اپنی تقریر کے دوران
میں یا اس سے قبل حاضرین بزم سے اپیل کریں کہ وہ سلور
جوبلی نمبر کی کاپیاں خریدیں اور جناب جارچوی صاحب
کو اس بار سے سبکدوشی ہو جائے جو اس اہم دینی کام کی بجا آوری
میں موصوف کے ذمہ تھا۔ مولانائے موصوف نے نہایت
پُر زور اپیل کی اور اُسی مجلس میں کافی تعداد میں سلور جوبلی
نمبر کی کاپیاں فروخت ہوئیں۔ حضرت قمر الواعظین کی
تحریک پر عالیجناب نواب سید احمد مرزا صاحب نے
جناب جارچوی صاحب کی خدمات اور زحمات کا اعتراف
کرتے ہوئے اور اُن کے اس دینی کام کو بنظر استحسان
دیکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ جس قدر کاپیاں موجود ہیں وہ
سادات وظیفہ فنڈ کے دفتر میں بھیجدی جائیں اور کل رقم
ادا کر دی جائیگی لیکن جناب جارچوی صاحب نے اسکو
پسند نہ کیا بلکہ اخبارات میں و مجالس میں اپیل کر کے
کاپیاں فروخت کرنے کو بہتر سمجھا۔ خدا کا شکر ہے کہ
کاپیاں سب کی سب فروخت ہو گئیں اور جناب
جارچوی صاحب اُس بار سے سبکدوش ہو گئے۔ حضرت قمر الواعظین
نے اُسی فیض آباد کی مجلس کے بعد جناب جارچوی
صاحب سے تذکرہ فرمایا کہ موصوف کا ارادہ ہے کہ ایک
ڈائرکٹری حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے چاہنے
والوں کی تیار کریں جو چند جلدوں میں ہو۔ بات گئی گزری
ہوئی ایک ماہ کے بعد مظفر نگر جانے کا اتفاق ہوا جناب
سید افتخار حسین صاحب گورنمنٹ پنشنر نے فرمایا کہ مولانا
آپ تو ڈائرکٹری تیار کرنے والے تھے۔ جناب جارچوی
صاحب نے ایک شاہانہ ڈائرکٹری کا شائع فرمایا ہے اور
بہت جلد تیار کرنے والے ہیں۔ مجھے حیرت ضرور ہوئی لیکن

پھر یہ خیال کیا کام اچھا ہے خدا کرے چار جوہی صاحب اس میں کامیاب ہو جائیں لیکن ہمارے کام میں اور ان کے کام میں ذرا فرق رہے گا۔ ہم نے ابھی تک اپنی ڈائرکٹری کا خاکہ نہ اخبارات کے ذریعے سے ملک کے سامنے پیش کیا ہے اور سوائے مخصوص احباب کے کسی کو مطلع کیا ہے اس لیئے ہمیں اب بھی اُمید ہے کہ ہماری ڈائرکٹری انشاءاللہ تعالےٰ اپنی قسم کی پہلی چیز ہو گی۔ ہم نہ تین روپے فی بلاک فیس وصول کریں نہ سَو لفظوں کا کیریہ چارج کریں نہ کل تصاویر ایک ہی نمونہ کی تیار کریں ہمارے یہاں تصاویر کے بلاک کی چند قسمیں ہونگی پورے صفحہ کی تصویر۔ نصف صفحہ کی ¼ صفحہ کی۔

یہ بھی واضح رہے کہ ہمارے یہاں حضرات علما واعظین۔ ماہرین فن۔ مقامات مقدسہ۔ اور ان حضرات کی تصاویر کے بلاک کا کچھ نہیں لیا جائیگا جو اس قابل ہیں کہ حسینی ڈائرکٹری میں درج ہوں۔ لیکن دام نہیں دیسکتے اور اگر مبالغہ نہ سمجھا جائے تو اس قسم کی صدہا تصویریں ہماری ڈائرکٹری میں انشاءاللہ تعالےٰ نکلیں گی۔ اس کے علاوہ "تذکرۃ المشاہیر"، یعنی سوانح حیات کی کوئی فیس نہیں لی جائیگی خواہ سو لفظ ہوں خواہ دو ہزار لفظ ہوں اس بیان کے بعد اُمید ہے کہ وہ حضرات جن کے بلاک بنائے گئے ہیں یا بنائے جائینگے بہ آسانی اندازہ کرسکینگے کہ ہمارا نصب العین بالکل جداگانہ ہے۔ ابھی وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے جب یہ حسینی گروہ کا مرقع منظر عام پر آنے والا ہے اُس وقت ہمارے بیان کی تصدیق ہوسکیگی۔ ہم اس کام کے واسطے بھی نہ پروپیگنڈا کرنا چاہتے ہیں نہ کنویسنگ۔ صرف یہ پہلی مرتبہ ہمارے اپنے رسالہ کے صفحات پر فی الجملہ تفصیل کے ساتھ اعلان شایع ہوا ہے۔ اسلامی دُنیا و اسلامک ورلڈ کے ہمدرد جن کے فوٹو ابھی تک شایع ہوئے ہیں اور وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھتے ہیں فوراً توجہ فرمائیں اور دفتر رسالہ میں اپنے فوٹو مع مختصر حالات زندگی بھیجدیں مصارف تیاری بلاک کے واسطے جو رقم وہ بھیجدیں گے وہ بصد شکریہ قبول کی جائیگی جو حضرات کچھ نہ بھیج سکیں وہ بھی فوراً فوٹو بھیجیں اور تحریر فرمادیں کہ مصارف نہیں دیئے جاویں گے۔

انشاءاللہ فوٹو کا بلاک جلد از جلد تیار کرالیا جائیگا۔

(خاکسار مدیر)

معذرت

گزشتہ حسین نمبر میں جو بلاک شایع ہوئے وہ پریس کی بے عنوانی کی وجہ سے بیحد خراب چھپے جس کا ہمیں سخت افسوس ہے لیکن صرف افسوس سے اس کمی کی تلافی نہیں ہوسکتی اس لیئے ہم انشاءاللہ بہت جلد اس نقصان کو اس طرح سے پورا کر دیں گے کہ بلاک بہترین طباعت کے ساتھ رسالہ کے کسی آئندہ نمبر میں شایع کیئے جائیں گے۔ جن حضرات کے فوٹو شایع ہوچکے ہیں اور حالات زندگی ابھی دفتر میں نہیں آئے ہیں وہ بہت جلد توجہ فرمائیں تا کہ ہمارے ادارہ کی تیرہ سو سالہ والی یادگار خصوصی نمبر کے ساتھ جسکا حجم انشاءاللہ زائد از پانچسو صفحات ہوگا شایع ہوسکیں۔

اس خصوصی نمبر کو "حسینی ڈائرکٹری" کہا جائیگا جسکے واسطے تیاریاں

"ہٹلر اور یزید"

یا

"نازی ازم اور یزید ازم"

(اثر خامہ حقیقت رقم حضرت قمر الواعظین مدظلہ العالی)

جنوری گزشتہ میں رائٹ ریورنڈ پی پی اوہٹ رومن کیتھولک بشاپ اجمیر نے ایک شاندار تقریر کی جس میں موصوف نے موجودہ جنگ میں ہندوستان کے مفاد پر بحث کرتے ہوئے فرانس کی اُن دو جنگوں کا تذکرہ کیا جس میں وہ ذاتی مشاہدات کی بنا پر نازی ذہنیت پر رائے زنی فرما سکتے تھے۔

موصوف نے بیان کیا کہ میں بحیثیت ایک آزاد فرانسیسی کے تقریر کر رہا ہوں اور مجھے فرانسیسی ہونے پر فخر ہے۔ میرے وطن مالوف (مادر وطن) کو گزشتہ ستر سال کے عرصہ میں جرمن حملوں سے تین مرتبہ دوچار ہونا پڑا ہے مجھے بخوبی معلوم ہے کہ اس قوم کی ذہنیت کیسی ہے اور جو بدنصیب قوم ان کے دست تظلم کا شکار ہو جاتی ہے وہ کن مصائب میں مبتلا ہوتی ہے۔

مجھے اپنا بچپن یاد ہے اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سنہ ۱۸۷۰ء کی جنگ ہوئی تھی اور جن وحشیانہ حرکات کا مظاہرہ اس جنگ میں ہوا تھا اس کی یاد سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں صرف لفظ "پروشین" کافی نفرت انگیز اور خوفناک میرے ہم عمر بچوں کے واسطے تھا۔ ہماری نفرت اور خوف کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے ہو جائیگا جو ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے۔

جب ہمارے شہر پر جرمنوں کا قبضہ ہو گیا بارہ پروشین سوار معہ ایک افسر کے ایک بیوہ عورت کے گھر میں ٹھیرا دیئے گئے یہ غریب مصائب و آلام کا شکار رہی تھی اور ایسی معذور ہو گئی تھی کہ نقل و حرکت کی طاقت نہ رکھتی تھی اور ۱۵ سال سے بستر پر پڑی تھی صرف ایک بوڑھی خادمہ اس کی نگرانی کرتی تھی۔ یہ ناممکن تھا کہ وہ ضعیفہ اپنے بستر سے اُٹھ سکے اور اُس کو چھوڑ سکے جب جرمن سپاہیوں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا تو ان کی یہ کوشش ہی کافی تھی وہ ضعیفہ چیخ پڑی لیکن حرکت نہ کر سکی۔ جرمن افسر نے یقین نہ کیا کہ وہ حرکت کرنے کے ناقابل اور اپنی ضد پر اڑا رہا کہ اس نے ہماری توہین کی اور ہمارا استقبال نہ کیا۔ اس نے اُس عورت کی جانچ کے واسطے بہ رائے "قائم کی"

کہ چار سپاہی اس کی چارپائی کو شہر سے تین میل کے فاصلہ پر لیجاکر ایک جنگل میں چھوڑ آئیں اگر حرکت کے قابل ہوگی تو ضرور اُٹھکر بھاگے گی اُس کے کپڑے بستر پر رکھدیے گئے کہ وہ پہنکر شہر کو چلی آئے گی سردی کا موسم تھا اور شدت کی سردی تھی زبردست برف باری ہو رہی تھی وہ ضعیفہ حرکت کے قابل نہ تھی آہستہ آہستہ برف نے اُسکو ڈھانپ لیا اور سردی کی شدت اور دم گھونٹنے سے وہ ختم ہوگئی۔ اتفاق سے آئندہ موسم گرما میں ایک شکاری نے اُس کی کھوپڑی اور کچھ ہڈیاں پائیں گوشت پوست بھیڑیوں نے کھا لیا تھا۔

یہ خیالات جس شخص کے دل و دماغ پر اثر کرچکے ہوں آپ حضرات اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس پر سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں کیا گذری ہوگی۔ اگست سنہ ۱۹۱۴ء میں میں نے اپنی آنکھوں سے بلجیم اور فرانس کی طرف جرمنی فوج کو پہلی مرتبہ بڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں اُس وقت ہالینڈ میں تھا۔ بلجیم کی سرحد سے بہت قریب ایسے مقام پر جہاں پر ہم ان کو بڑھتے ہوئے دیکھ سکتے تھے۔ یہ نہایت ہی خوفناک منظر تھا اور اس کے بعد جو صورتیں دیکھنے میں آئیں وہ اس سے کہیں زیادہ پرخطر اور دہشتناک تھیں تین ماہ تک میں ہالینڈ رہا اور جو لوگ بھاگ بھاگ کر ہالینڈ میں آرہے تھے ان کی زبانی جو داستانیں سُنیں ان سے اندازہ ہوا کہ سنہ ۱۹۱۴ء کے جرمن اپنے سنہ ۱۸۷۰ء والے بزرگوں سے کسی طرح ظلم و ستم اور وحشیانہ حرکات کرنے میں پیچھے نہیں ہیں۔

بلجیم میں آتش زنی قتل اور رذالت کے واقعات روزانہ ہوتے رہتے تھے اور اس کی وجہ غالباً صرف یہی تھی کہ اُس بہادر قوم کا مقابلہ کرنا جرمن حملہ آوروں کو ناگوار تھا اور اس سے ان کو اشتعال پیدا ہوتا تھا۔

یہ امر دُنیا کو معلوم ہے کہ فتح نصیب ہونے سے قبل فرانس کو کن شدائد کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ میں ہالینڈ سے فرانس کو براہ فالکیسٹن آیا تاکہ ایک فوجی اسپتال میں خدمت انجام دوں شبانہ روز زخمی یہاں لائے جاتے تھے جن کی تعداد میں روزانہ مرتے تھے اور جو دردناک واقعات وہ بیان کرتے تھے وہ آج بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں بہت سے تو دشمن نے گیس سے مار ڈالے حالانکہ بین الاقوامی قانون کے یہ خلاف تھا اور بہت سے لوگوں کو اسپتالوں یا زخمیوں کے لیجانے والی لاریوں میں سے نکال کر مار ڈالا گیا حالانکہ ریڈکراس کا نشان نمایاں طور پر لاریوں پر تھا۔

لڑائی میں شکست کھانے کے بعد جرمنوں نے بھاگتے ہوئے اُن تمام باغات کو کاٹ ڈالا جو ان کے راستہ میں پڑے اور اس طرح اپنے غصہ کا اظہار کیا ایک شخص ایسا نظر آیا جس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے تھے تاکہ وہ کبھی ان کے خلاف بندوق نہ اُٹھا سکے۔

نازی عقیدہ یہ ہے کہ دُنیا بھر میں ان سے زیادہ نیک عالی حسب والا نسب۔ قابل کوئی دوسری قوم نہیں ہے اس لیے ان کو تمام دُنیا پر حکومت کرنے کا حق ہے لیکن ان کو ایفاء عہد۔ اخلاق اور انسانی اور خدا کے حقوق کا مطلق خیال نہیں ہے۔ اُن کے نزدیک کوئی تحریر قابل وقعت نہیں ہے جو وہ مناسب

بول اُٹھا اے یزید اپنی چھڑی کو ہٹا میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ حضرت رسولخدا ان ہونٹوں کو بوسہ دیتے تھے۔ ظالم کو مہلت ملتی ہے لیکن ظلم کو ہمیشگی نہیں آج یزید اموی دمشقی ہٹلر کا نام لینے والا بھی باقی نہیں ہے اور اگر کچھ ہیں بھی تو دل میں اُس سے محبت رکھتے ہوں لیکن اپنی اولاد کا نام ہٹلر دمشقی کے نام پر نہیں رکھتے نہ اُس کی فاتحہ دلاتے ہیں، نہ اُس کے واسطے ختم قرآن کراتے ہیں۔ یزید مٹ گیا۔ فنا ہو گیا۔ ظاہری فتح ہو گئی تھی لیکن دائمی شکست اُس کو اور اُس کے ہوا خواہوں کو حاصل ہوئی۔ حسین کے چاہنے والے آج دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہیں اور جبتک انسانی برادری سے دُنیا آباد رہے گی۔ حسین کا نام ہر بافہم کے دل پر نقش رہے گا۔ ہم کو اُمید ہے نازی ازم اور ہٹلر ازم کا جلد خاتمہ ہوگا اور دُنیا میں بہت جلد امن اور صلح کی لہر دوڑے گی اس وقت وہ لوگ جو نازی ازم اور ہٹلر ازم کے ظاہری یا باطنی خیر طلب ہیں دیکھیں گے کہ ظالم کا انجام کیا ہوتا ہے اور ظلم کب تک چل سکتا ہے حضرت سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کسی خاص گروہ کے ہادی اور امام نہیں ہیں اُن کے نانا رحمۃ اللعالمین تھے اور وہ عالم انسانیت کے واسطے ایک نمونہ کاملہ انسانیت ہیں جنکی مقدس زندگی کو آنکھوں کے سامنے رکھکر دُنیا کی ہر مشکل سے مشکل مصیبت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

تذکرۃ المشاہیر

باجمالہ

مختصر حالات زندگی

چشم و چراغ خاندان اجتہاد مجدد ملت جعفری حکیم الامت علامہ ہندی حضرت سید احمد مجتہد العصر والزمان مدظلہ ۱۰ ذالحجہ روز جمعہ بوقت نماز جمعہ ۱۲۹۶ھ ہجری لکھنؤ عقب مسجد تحسین چوک میں ولادت ہوئی ۲۰ جمادی الاول ۱۳۰۷ھ ہجری کو آپ کے والد بزرگوار حضرت فردوس مکان جناب سید محمد ابراہیم صاحب اعلی اللہ مقامہ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھا۔ حضرت ملاذ العلماء جناب سید ابوالحسن رضوان مکان طاب ثراہ سے تہذیب المنطق اور حضرت عماد العلماء جناب میر آغا صاحب اعلی اللہ مقامہ سے شرائع الاسلام۔ از افاضل معلمین لکھنؤ سے بقیہ مبادیات کی تحصیل کر کے حضرت تاج العلماء مولانا سید محمد صاحب نور ضریحہ سے تکمیل فرمائی۔ اور ۱۳۱۴ھ ہجری میں سفر عراق کر کے آقا حاج شیخ حسین مازندرانی طاب ثراہ کے درس خارج میں ایک سال تک شامل رہے اور فخر العلماء

کا خطاب واجازہ حاصل کرکے بوجوہ لکھنؤ مراجعت فرمائی
آقائی آیۃ اللہ آخوند ملا محمد کاظم خراسانی اور آقائی شیخ
الشریعت شیخ فتح اللہ نجفی آذائی حجۃ الاسلام آقا سید
محمد باقر طباطبائی طاب ثراہم سے بھی اجازات اجتہاد
حاصل کیئے اور سرکار آیۃ اللہ سے علامۂ ہندی کا معزز
لقب حاصل کیا لیکن سنہ ۱۳۱۶ھ کے آخر ہی میں پھر سفر
عراق فرمایا۔ اور درس خارج حضرت آیۃ اللہ میں شرکت
کی۔ اسی دوران میں شرح معارج الاصول عربی میں اور
عمدہ شرح زبدۃ الاصول عربی میں۔ اور کتاب بسط مقال
فی السماء رجال نہایت مبسوط وضخیم تصنیف فرمائی۔ اور کتاب
ذکر جمیل اوراد وظائف میں مع شرح اردو۔ افسوس چاروں
کتابیں مع ایک عظیم ونادر کتب خانے کے عراق ہی میں
سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ عالم سوز میں ضائع وتلف ہوگئیں۔

زمانۂ طالب علمی لکھنؤ ہی میں حضرت علامہ کو مستقبل
کی فکر تھی کہ موجودہ ماحول کی مناسبت سے کونسی علمی و
دینی خدمت کی جاوے۔ بعد انتہائی غور وفکر یہ فیصلہ
فرمایا۔ تاسی محققین متکلمین سابق جدید علم کلام کی بنیاد
ڈالیں اور فلسفہ جدید کے مقابلے کی اسی طرح سے تیاری
کریں جیسا کہ فلسفہ یونان کے مقابلے کے واسطے علمائے
متقدمین نے تدوین فرمائی تھی۔ یہ قطعی فیصلہ فرما کر اسی وقت
دار التبلیغ کی تن تنہا بنیاد ڈالی اور علاوہ مختصر رسالوں
کے دو جلد فروع دین میں حمایت الاسلام کی تصنیف
فرما کر طبع کرائیں۔ اور بتدریج اٹھارہ جلد فلسفۃ الاسلام
کی تصنیف فرمائی۔ جس میں سے صرف دو جلد بعد
عرصہ دراز کیمسٹری اور ہیئت کی طبع ہوگئیں یعنی ماندہ الوجو

تصنیف کا سلسلہ اس وقت سے قائم ہوا جب شیعیان
ہندوستان میں نہ کوئی تبلیغی ادارہ تھا نہ سوشل۔ اور آج تک
باوجود پیری وضعف دوام امراض وناساعدت ایام
کے ذوق تصنیف شباب پر ہے۔

علاوہ سیکڑوں مختصر مضامین کے جو سنی وشیعہ اخبارات
میں شائع ہوئے قریب دو سو تصنیفات کے موجود ہیں
جن میں سے کثیر تعداد طبع بھی ہو چکی ہیں۔ ہندوستان و
عراق میں برابر سلسلہ تصنیف جاری رہا۔ کتب طبیہ کے
مطالعہ کا بھی بے حد شوق تھا۔ جس کے غوامض کو گاہ بگاہ
اطبائے لکھنؤ سے حاصل فرماتے رہے۔ بالآخر کربلائے معلےٰ
میں حکیم مشکوٰۃ طبیب باشی ایران سے تکمیل فرمائی۔ اور
قیام کلکتہ میں انجمن اطبائے بنگال کے وائس پریسیڈنٹ
رہے۔

قومی خدمات

سنہ ۱۳۱۴ ہجری کے پہلے سفر عراق میں وثیقۂ نواب حیدر الدین غازی
مرحوم نواب اودھ بنابر ٹرسٹی ایسٹ انڈیا کمپنی دس ہزار
تین سو روپیہ ماہوار تقسیم وخیرات کے واسطے کربلائے معلےٰ
ونجف اشرف کے واسطے جاتا تھا۔ جو خیریۂ اودھ کے
نام سے وہاں مشہور تھا۔ اور زیر نگرانی برٹش کانسل جنرل
وہاں تقسیم ہوتا تھا۔ پانچ پانچ سو روپیہ کربلائے معلےٰ
کے مجتہدین کو اور اسی طرح سے نجف اشرف کے
مجتہدین کو جس میں فقراء محتاجین وطلبا کا کوئی حق نہ
تھا۔ اس وقت بغداد میں کرنل ریمزے برٹش کانسل
جنرل تھے۔ حضرت علامہ نے سخت ترین مخالفت کی
اور کوشش کی کہ عام حقوق کا لحاظ ہو اور اسی بنا پر

ایک سال قیام عراق کے بعد لکھنؤ واپس ہوئے اور گورنمنٹ آف انڈیا سے جدوجہد کرتے رہے اور کونسل جنرل باوجود سخت مخالفت برٹش گورنمنٹ و حکومت ٹرکی و اہالیان عراق اپنی ہمت مردانہ و اصابت رائے سے کامیاب ہوئے اور باصرار کونسل جنرل مسٹر لارمیہر دوبارہ سفر عراق فرماکر ڈسٹرکٹ بیوڑ اودھ بیکونٹ قرار پائے۔ اسی دوران میں دو مرتبہ برٹش گورنمنٹ کے کانسل جنرل سے اصولی اختلاف کی بناپر استعفا دیدیا جو نامنظور ہوا۔ بالآخر ۱۹۱۹ء میں تیسرا استعفا برٹش ہائی کمشنر کرنل وائسن کو دیکر بلا منظوری لکھنؤ واپس ہوئے۔

(۲) موسم گرما میں نجف اشرف میں آب نہر آصفی خشک ہوکر آب شیریں سے غربائے اہل نجف محروم رہتے تھے، کوفہ سے پانی آکر ایک مشک بارہ آنے کو فروخت ہوتی تھی۔ حضرت علامہ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب پرنسپل مدرسۃ الواعظین اعلی اللہ مقامہ کے زیر انتظام سولہ روز بذریعہ ٹرام نہر کوفہ سے پانی منگاکر عام اہل نجف پر تقسیم فرمایا۔

(۳) موسم سرما میں حسب رواج عراق عام غربا کے آگ تاپنے کے واسطے کوئلہ تقسیم فرمایا۔

(۴) کربلائے معلی میں علماء مجاورین اہل ہند کی مساعی جمیلہ سے مدرسہ ہندی جعفری حائری کی ایک مختصر مکان میں بنیاد قایم ہوئی تھی۔ حضرت علامہ نے اپنے سرمایہ سے کربلائے معلی شہر کا سب سے بڑا مکان فرما فرماکا تین سو روپیہ ماہوار پر کرایہ لیکر مدرسہ کو منتقل کیا اور تین سو کی تعداد میں طلبا کو داخل کیا۔ جن کو جغرافیہ حساب ہیئت تاریخ۔ دینیات کی ساتھ ساتھ تعلیم شروع کرائی اور طلبا کے واسطے ٹرکی اور فرانسیسی زبان کو لازمی قرار دیا اور ایک ماہر فوجی ترکی سے فوجی پریڈ کرانے کا انتظام کیا۔ اس جدید طریقہ تعلیم سے سخت ترین ہیجان و مخالفت ہوئی جس کو نہایت استقلال و پامردی سے جھیلا۔ بالآخر ۱۹۱۴ء کی جنگ میں بند کر دینا پڑا۔

(۵) شاہزادہ اسعد ایران نے تمام ایرانی جنگیوں کو روس و برٹش گورنمنٹ کے حوالے کردینا چاہا، حضرت علامہ نے زیر صدارت شیخ العراقین آقا شیخ علی مازندرانی "انجمن اعانت ایران" قایم کرکے حکومت ایران سے احتجاج کیا۔

(۶) حکومت ٹرکی کی استبدادیت اور داخلہ کی خلفشار پر "انجمن قوت الاسلام" زیر صدارت آقائی شیخ عبدالرحیم ال صاحب فصول زیر سرپرستی حجۃ الاسلام آقا السید اسمعیل صدر طاب ثراہ قایم کی۔

(۷) منصور پاشا ٹرکی کے زیر سرپرستی انجمن اتحاد و ترقی استنبول کی برانچ بغداد میں قایم کی۔

۱۹۱۹ء میں لکھنؤ واپس ہوکر ہندوستان میں قومی خدمات کو کون نہیں جانتا۔

انجمن خدام عتبات عالیات۔ آل انڈیا حجاز کانفرنس۔ انجمن یادگار علماء لکھنؤ (جس کے آپ سکریٹری بھی رہے) آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے صوبہ و ڈسٹرکٹ کانفرنسوں کے قیام کے واسطے پنجاب۔ سندھ۔ فرنٹیر۔ کشمیر۔ بنگال کے مسلسل دورے فرمائے اور پرزور حامی رہے۔ پولیٹیکل کانفرنس میں بھی خدمات نمایاں

انڈین نیشنل کانگریس کے پُرزور حامی رہے۔ اور کسی سخت ترین مخالفت سے بھی پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دی لیکن ۱۹۳۷ء سے تمام قومی ادارات کو ترک کر کے محض خاموش تبلیغی جدوجہد پر انحصار کر لیا۔ اور تبلیغی تصانیف کی طبع و اشاعت میں تن تنہا مشغول ہو گئے ۱۹۲۲ء سے ذریعہ معاش طبابت کو قرار دیا۔ اور اسی سلسلہ میں زائد قیام کلکتہ میں اختیار کیا ہے۔

حضرت سید العلماء ثانی، مدظلہ العالی

ولادت و نسب:- حضرت غفرانمآب اعلی اللہ مقامہ کے نام نامی اور اسم گرامی سے دنیائے اسلام کا گوشہ گوشہ واقف ہے اس بزرگ ہستی نے ملت جعفریہ کی وہ خدمات انجام دی ہیں کہ قیامت تک یادگار ہیں۔ خلاق عالم نے اپنے لطف و رحمت فضل و کرم سے اس محسن اسلام کے خاندان میں ایسے ایسے درخشاں سورج چاند اور ستارے پیدا کیے جنھوں نے اپنے اپنے زمانہ میں ظلمت کفر و الحاد کو دور کرنے میں وہ کام کیا جو ہمیشہ ہمیشہ قلوب مومنین کو منور کرتا رہے گا۔ حضرت غفرانمآب مولانا سید دلدار علی صاحب اعلی اللہ مقامہ کے کمالات اور شرافت ذاتی کا اندازہ صرف اس امر سے ہو سکتا ہے کہ "حسینیہ غفرانمآب" میں دفن ہونے کی آرزو بڑے سے بڑے عالم اور دولتمند کو ہمیشہ رہی اور اب بھی ہے۔ اسی بزرگوار کے میوۂ دل اور سرور سینہ جناب سید العلما (اول) مولانا سید حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ کے فرزند جناب جنت مآب مولانا سید تقی صاحب اعلی اللہ مقامہ ہوئے یہ دونوں بزرگوار اپنے کمالات علمیہ اور برکات روحانیہ کے واسطے معروف خاص و عام ہوئے جناب سید العلما مولانا سید حسین صاحب قبلہ کے کمالات کا اندازہ صرف اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ان کے اساتذہ کی فہرست میں حضرت مفتی علام جناب مولانا سید محمد عباس صاحب قبلہ شوستری اعلی اللہ مقامہ تھے۔ حضرت مفتی صاحب کو جناب سید العلما کی شاگردی کا فخر تھا اور جناب سید العلما کو مفتی صاحب کی استادی پر ناز تھا جناب سید تقی صاحب اعلی اللہ مقامہ کے فرزند جناب شمس العلما علامہ سید محمد ابراہیم صاحب اعلی اللہ مقامہ فخر خاندان ہوئے۔ اور اس لائق باپ کے لائق فرزند حضرت ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ ہوئے۔ آخر الذکر بزرگوار اگرچہ کمالات علمیہ میں اپنے اب و جد کے فخر تھے لیکن مجھے یہ لکھنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ حضرت ممتاز العلما اعلی اللہ مقامہ زہد و تقوے میں بھی فخر اب و جد تھے۔ اس قابل فخر ہستی کو خداوند عالم نے وہ لائق فرزند عطا فرمایا جو آج خاندان اجتہاد کی قابل فخر اور مایہ ناز ہستی ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ صرف فخر خاندان ہی نہیں بلکہ فخر قوم اور فخر ملک اور ملت ہیں خداوند عالم نے اس بزرگ ہستی کو کم سنی میں وہ کمالات عطا فرمائے ہیں جو برسوں کی محنت کے بعد بھی بمشکل حاصل ہوتی ہیں۔

۲۶ رجب المرجب ۱۳۲۳ھ میں بمقام لکھنؤ آپ کی

ولادت ہوئی۔ ابھی صرف ۲½ سال کا سن تھا کہ حضرت ممتاز العلماء علی اللہ مقامہ کے ہمراہ سفر عراق اختیار کرنا پڑا۔ ساتویں سال رسم بسم اللہ خوانی روضہ مقدسہ حضرت باب مدینۃ العلم میں ادا کی گئی اور ۱۳۳۲ھ میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ لکھنؤ واپس ہوئے۔

تحصیل علم:۔ ابتدائی تعلیم حضرت ممتاز العلماء اعلی اللہ مقامہ سے حاصل کی۔ علم ادب میں جناب مفتی علام آقا مفتی سید محمد علی صاحب مدظلہ خلف اکبر حضرت مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ شرف تلمذ حاصل کیا۔ فقہ میں افقہ الناس حضرت علامہ باقر العلوم اعلی اللہ مقامہ اور سرکار نجم العلما طاب ثراہ سے رسائل و مکاتیب اور شرح کبیر وغیرہ کا درس حاصل کیا۔

اسناد:۔ جامعہ سلطانیہ سے صدر الافاضل۔ ناظمیہ عربی کالج سے ممتاز الافاضل۔ اور الہ آباد یونیورسٹی سے عالم کی سند حاصل کی۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے فاضل ادب کی سند حاصل کی اور ہر امتحان میں اول نمبر کامیابی حاصل کی۔ نہ کالج کے طلبا میں کوئی اس قابلیت کا طالبعلم نکلا اور نہ یونیورسٹی کے نمبر کار میں کسی کو استفے نمبر کبھی حاصل ہوئے۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے اعلے کامیابی کی بنا پر طلائی تمغہ حاصل ہوا۔

سفر عراق:۔ ۲۰ شعبان ۱۳۴۹ھ کو بغرض تکمیل علم دوبارہ سفر عراق اختیار کیا۔ پانچ سال تک نجف اشرف میں قیام رہا۔ حجۃ الاسلام آقا مرزا ابوالحسن مشکینی سے درس سطحی کی تکمیل کی اور ایۃ اللہ آقا مرزا حسین نائنی اعلی اللہ مقامہ اور ایۃ اللہ آقا سید ابوالحسن اصفہانی دام ظلہ العالی کے درس خارج میں شریک رہے اور ممتاز درجہ حاصل کیا۔

اجازت و اجتہاد:۔ اعلم العلماء عراق آقا مرزا حسین نائنی (نجف اشرف) ایۃ اللہ الحاج آقا شیخ عبدالکریم یزدی (قم) آقا مرزا ابوالحسن مشکینی (نجف اشرف) آقا شیخ محمد کاظم شیرازی اور آقا الحاج شیخ محمد حسین اصفہانی سے اجازت اجتہاد حاصل کی اور تمام بزرگواروں نے بہترین خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔

سفر ایران:۔ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ میں سفر ایران اختیار فرمایا۔ زمانہ مساعد نہ تھا اس وجہ سے ایران میں کوئی خاص خدمت دینی کرنے کا موقعہ ملا۔ البتہ جس مقام پر تشریف لے گئے وہاں کے حضرات علماء اعلام و مشاہیر نے جناب سید العلما کے جوہر ذاتی کی بہترین قدر دانی کی۔

مراجعت:۔ ۱ ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ میں لکھنؤ تشریف لائے۔ اور اپنے خاندانی دستور کے خلاف لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبہ مشرقیات عربی و فارسی میں بسلسلہ ملازمت داخل ہوئے۔ اور اب تک اسی سلسلہ میں نہایت عزت کے ساتھ منسلک ہیں۔

تصانیف:۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں باوجود مشاغل یونیورسٹی و درس و تدریس و وعظ تقریباً

دو سو کتابیں اور رسالے تصنیف فرمائے ہیں جنمیں سے البیت المعمور فی عمارۃ القبور۔ کشف النقاب عن عقائد ابن عبدالوہاب۔ اقالۃ العاثر فی اقامۃ الحائر۔ نقد القرائد فی اصول العقائد (عربی) داستان حسین کا مذہب۔ تحریف قرآن کی حقیقت تجارت اور اسلام متعہ اور اسلام۔ وجود حجت۔ تذکرۂ حفاظ شیعہ۔ حسین اور اسلام۔ اسوۂ حسینی۔ حج و بینات۔ اسلام کی حکیمانہ زندگی۔ خدا کی معرفت۔ حقیقت اسلام۔ نظام زندگی مجاہدۂ کربلا۔ محاربۂ کربلا۔ معرکۂ کربلا۔ شہدائے کربلا۔ (۳ حصہ) اسلامی عقائد۔ ذوالجناح۔ اسلام کا پیغام حسین کا پیغام عالم انسانیت کے نام۔ وجیزۃ الاحکام وغیرہ (اُردو) حضرت علامہ کا شاہکار ہیں)۔

اُمید کیجاتی ہے کہ ہمارے ممدوح حضرت سید العلماء (ثانی) اپنے جد امجد حضرت سید العلماء (اول) کی فخر ثابت ہونگے اور اسی معراج کمال پر پہونچینگے

مختصر سوانح حیات

بدایوں کے معزز خاندان کے رُکن مولوی محمد اقتدار عالم صاحب ایڈوکیٹ کے فرزند ڈاکٹر حسن ممتاز عالم صاحب بالقابہ سب انسپکٹر پولیس نانڈیر (دکن) بی۔ پی۔ ایس (کانپور) ایم۔ ڈی۔ ایچ (لکھنؤ) ایم۔ آر۔ ایس۔ ایل (لندن) ۲۴ر جنوری سنہ ۱۹۱۳ء یوم جمعہ بدایوں میں پیدا ہوئے۔ عہد طفولیت میں والد گرامی کے سایہ عاطفت میں تعلیم کی ابتدائی منزلیں طے کیں مشفق ماں کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ گیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں میں ششم جماعت تک تعلیم حاصل کی سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء میں عم محترم مولوی محمد اعزاز عالم صاحب بی۔ اے ایل۔ ٹی پی۔ ای۔ ایس ہیڈ ماسٹر کے زیر نگرانی فتح گڑھ گورنمنٹ ہائی اسکول میں تعلیم حاصل کی۔ جماعت ہشتم میں مشن سلامیہ ہائی اسکول بدایوں میں تعلیم پائی سنہ ۱۹۳۰ء میں برادر معظم مولوی محمد حضور عالم صاحب بی۔ اے۔ ایم۔ آر۔ ایس ایل (لندن) کے پاس کانپور میں مقیم رہ کر جماعت نہم کی تکمیل کی اور سنہ ۱۹۳۲ء میں حکیم مسلم ہائی اسکول کانپور سے انٹرنس پاس کیا۔ آخر سال میں حیدرآباد گئے وہاں جناب سید محمد حسن صاحب بلگرامی صدر محاسب وظیفہ یاب حیدرآباد اور مولانا الفاضل علی حیدری کے مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ پولیس ٹریننگ اسکول میں داخلہ ہوا۔ ملازمت حاصل ہوئی اور ابتک اسی محکمہ میں ہیں۔ (بغیر کسی سہارے یا مدد کے باوجود غیر ملکی ہونے کے اپنے دست و پا سے کوشش کرکے محکمہ پولیس میں ملازمت اختیار کی) دوران ملازمت میں متعدد ڈگریاں حاصل کیں۔ ہنوز تعلیم کا سلسلہ جاری ہے اُمید ہے کہ اعلیٰ تعلیم میں امتیاز حاصل کرکے بیرون ہند تعلیمی امتیازات خصوصی حاصل کرنے کیلئے سفر کرسکینگے السنہ مشرقی و مغربی سیاسیات میں دلچسپی ہے۔ خدا کا فضل اور اہلبیت اطہار و چہاردہ معصومین علیہم السلام کی برکات شامل حال ہیں تو قوی اُمید ہے کہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہوسکینگے۔

مولانا آقا سید آغا مہدی الرضوی زاد فضلہ کا نمیقہ انیقہ

سرپرست اسلامی دنیا حضرت قمر الواعظین کے نام

محترمی جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب رضوی زاد فضلہ کی انتھک کوشش اس قابل ہے کہ قوم کے تعلیم یافتہ حضرات اُس کی طرف توجہ فرمائیں اور اس مجاہد دین کے قلمی مجاہدات کی قدر کرتے ہوئے اُن کی اشاعت میں مدد دیں تاکہ جلد سے جلد بہتر سے بہتر تاریخی جواہر ریزے منظر عام پر آسکیں مولانا موصوف کا سرفراز نامہ مورخہ ۱۲ ربیع الثانی بجنسہ درج کیا جاتا ہے اُمید ہے کہ ناظرین اسلامی دُنیا خاص توجہ فرمائینگے۔ (خاکسار حیدری)

مولانائے محترم زیدت عواطفکم

تحیہ تسلیم۔ اُمید ہے کہ آپ مع الخیر دینی خدمات میں مشغول ہوں گے ۱۶ ربیع الآخر کو سفر عراق و ایران سے واپس ہو کر ڈاک دیکھی اور "اسلامی دنیا" کے افتتاحیہ پر نظر پڑی جو فاضلانہ رائے آپنے تحریر فرمائی اُس کا شکریہ صرف اس لیئے ادا نہیں کیا جاتا کہ آپ نے میرے دیرینہ محبت کو مدنظر رکھ کے میری خدمات پر اظہار حال فرمایا۔ بلکہ آپ کی یہ قلمی جدوجہد کتاب کی مقبولیت کا باعث ہو کر اس نیک مقصد کی معاون ہوگی۔ میں آپ کا قدیم دُعاگو ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اُن اہم دینی خدمات کے ساتھ ساتھ جو انفرادی حیثیت سے بڑے پیمانہ پر انجام دے رہے ہیں میرے اس مقصد میں کہ "شہدائے کربلا کی اُردو سوانح عمریاں چھپکر قوم کے سامنے آئیں" اپنی زرین رائے سے آئندہ بھی مدد پہونچائیں گے۔

آپکا مختتمہ فقرہ دُعائیہ میرے پیش نظر ہے اور میں شہزادہ علی اصغر کے بعد سوانح عمری عون بن علی بھی لکھکر نذر ریویو حاضر کر چکا ہوں اُس کو تلاش فرماکر اپنے مزید مراحم سے نصرت دین فرمائیے اور چند کلمات بطور ریویو تحریر فرمائیے تو یہ کام آگے بڑھے۔ حضرت زہیر بن قین کا حال مکمل لکھا ہوا رکھا ہے اور قوم کے چشم و ابرو کا منتظر ہوں ممکن ہے کہ اس سال اُس کو شایع کر کے پیش کرسکوں

سفر عتبات عالیات میں اس سال کا بیشتر وقت ختم ہوا اور اب تندرستی خراب ہے گوناگوں امراض میں مبتلا ہوں بہرحال یہ میرے لیئے نعمت عظمیٰ تھی کہ تیسری مرتبہ عراق کی زیارت سے مشرف ہوا اور مشہد خراسان کی زیارت اول مرتبہ حاصل ہوئی والسلام خیر ختام۔ مکرر آنکہ اگر اسلامی دُنیا کے کسی گوشہ میں چند سطروں کی گنجائش نکالکر یہ خط شایع فرما دیجئے تو ادارہ ممنون ہو اس کا تعلق آپکے گراں قدر ریویو سے ہے اسکو آپ ہی کا چھاپنا مفید ہے۔ شاہزادہ علی اصغر کی سوانح عمری جن حضرات کو مطلوب ہو وہ ۸ آنے کے ٹکٹ ڈبل کر کے اس پتہ پر بھیجکر طلب فرمائیں انشاءاللہ کتاب پہونچیگی۔ مدیر سید ہادی سکریٹری جمعیت خدام عزا چوک مسجد تحسین مسجد لکھنؤ

نئی روشنی

قسط دوم

(گذشتہ سے پیوستہ سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو اکتوبر ۱۹۴۰ء)

(نوٹ قسط اول اس مضمون کی اس پر ختم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے نہایت کثرت اور سرعت کے ساتھ تمدن مغربی کی طرف جذب ہونے میں انکا کوئی بڑا قصور نہیں ہے اس لیئے کہ فطرت انسانی کا اقتضاء یہ ہے کہ)

انسان جن چیزوں کو دیکھتا ہے اُن کے اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جو کام کسی کو کرتا دیکھتا ہے اس کی نقل کرتا ہے۔ اگر کتاب فطرت کا مطالعہ کرنا ہو تو بچہ کے حرکات وسکنات کا مطالعہ کریں۔ خالق فطرت نے ایک نقالی کی قوت اس کو عطا فرمائی ہے اگر یہ نہ ہوتی تو آدمی کا بچہ تمام حوش وطیور کے بچوں سے بدتر رہتا۔

زندگی گزارنے اور زندہ رہنے کیلیے جتنے کام بھی ضروری ہیں وہ اسی قوت نقالی سے حاصل کر لیتا ہے۔ ابتدا میں تو وہ سوائے رونے۔ مسکرانے اور چوسنے کے اور کچھ بھی نہیں جانتا۔ جب دودھ چوستے چوستے کچھ مہینے گزرتے ہیں۔ اور دوسروں کے افعال کی طرف توجہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو جس وقت گھر والوں کو کھانا کھاتے دیکھتا ہے اس پر گر پڑتا ہے اور نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کو روٹی نہیں دی جاتی تو روتا ہے مچلتا ہے۔ جب تک روٹی کا ٹکڑا نہیں پاتا خاموش نہیں ہوتا۔ اس کو لیکر بہت خوش ہوتا ہے اور چوسنا شروع کرتا ہے۔ ٹکڑا چوسنے سے نرم ہو کر ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے حلق میں پھنستا ہے۔ نگلنا تو ابھی جانتا ہی نہیں پھندے لگتے ہیں۔ روتا ہے چلاتا ہے۔ تکلیف اُٹھاتا ہے۔ مگر قوت نقالی مجبور کرتی رہتی ہے کہ ایسی تکالیف پر بھی روٹی چوسنے سے باز نہیں آتا۔ پھر جب کھانا کھاتے دیکھتا ہے پھر اپنا وہی حال بناتا ہے۔ یہاں تک کہ نگلنا سیکھ جاتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کو منہ چلاتے اور چباتے دیکھتا ہے تو خود بھی اسی طرح مونہہ چلانے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ کھانا سیکھ لیتا ہے۔ اور اور اسی طرح بیٹھنا۔ کھڑا ہونا۔ چلنا پھرنا۔ غرضکہ تمام ایسے کام جو بقاء نفس کیلیے ضروری ہیں نقل کرتے کرتے سیکھ جاتا ہے۔

جب چلنے پھرنے لگتا ہے تو ہر شخص کو جو حرکت کرتے دیکھتا ہے اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کسی انگریز کو دیکھا تو ننگے سر چلنے لگا کسی بھلے کو دیکھا تو اسی کی طرح بولنے لگا۔ [illegible]

بُرے کاموں کی نقل کرنے سے روکیں۔ اگر اس کو روکا نہ جائے گا تو بُری عادات راسخ ہو جائیں گی۔ اور پھر کسی طرح بھی چھوٹ نہ سکیں گی۔ جیسا کہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے ؎

درختے کہ اکنوں گرفت است پائے
بہ نیروئے شخصے بر آید ز جائے
ولے چند روزے جو دیگر ہلی
بگردونش از بیخ بر نگسلی

اب دیکھنا چاہیئے کہ بچہ میں سب سے زیادہ کن لوگوں کی نقل کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ سب سے زیادہ ان لوگوں کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے جن سے اس کو اُنس ہو یا جن کی عزت و وقعت اس کے دل میں پیدا ہو جائے۔ یا جن کی وجاہت سے مرعوب ہو جائے ساتھ کھیلنے والے ہمسنوں کی ہر حرکت و سکون کی نقل کرنے کی خواہش سب سے زیادہ ہوتی ہے اس کے بعد استاد اور صاحبان ثروت و جاہ کی نقل کرنے کی خواہش کرتا ہے۔ پھر اس کو اس کی فکر ہوتی ہے کہ سب سے بڑی مادی قوت اور طاقت کا مالک کون ہے۔ وہ اپنے گردوپیش کے حالات سے قوت ادراک کے ذریعہ معلوم کر لیتا ہے کہ حکومت کرنیوالی قوم کونسی ہے اس کی وقعت اور خوف اس کے دل میں گھر کر لیتے ہیں۔ انھیں حالات میں جب سن تمیز کو پہونچتا ہے تو حصول عزت و وجاہت کی خواہشات شدید ہو جاتی ہیں۔ اب اس کی نظر اُن اقوام پر پڑتی ہے

جنھوں نے دُنیا میں غلبہ اور قوت حاصل کی ہے۔ انکی قوت و شوکت سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد انکے ہر کام کی نقل کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے ان کا عیب بھی ہنر نظر آتا ہے۔ قوت تنقید زائل ہو جاتی ہے اور آنکھیں بند کرکے ان کی پیروی کرتا ہے یہی سبب ہے کہ اس وقت تمام دُنیا یورپ کی تقلید میں تباہ ہو رہی ہے۔ ان کا ہر عیب ہنر معلوم ہوتا ہے۔ ان کے تمام کی خوبیاں ثابت کرنے کیلیے ہزارہا دلائل منطقی تصنیف کی جاتی ہیں اور اب تو یہ حال ہو گیا ہے کہ اگر اہل یورپ برہنہ ہوکر ببول کی شاخ عقب میں لگا کر ناچیں تو دُنیا میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً ہزارہا اشخاص ان کی نقل کرنے لگیں گے۔ اگر کوئی ان سے اس کا سبب دریافت کرے تو کہیں گے کہ جاہل اور غیر مہذب اقوام نیچر کی نعمات سے فائدہ حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ ببول کی شاخ کے متعلق سائنس کے مشاہدات کے ذریعے سے عجب انکشاف ہوا ہے کہ وہ ہوا میں سے بہت زیادہ مقدار آکسیجن کی لیکر براہ عقب جسم میں داخل کر دیتی ہے۔ جو صحت (تندرستی) کے لیئے نہایت مفید ہے۔ اہل یورپ ہر چیز سے فائدہ حاصل کرتے ہیں مگر افسوس کہ آپ لوگ اپنی جہالت اور قدامت پرستی کے سبب اس سے محروم ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیان مذکورہ بالا درست ہے تو ہر شخص کیوں تمدن مغرب اختیار نہیں کر لیتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسم و رواج قومی و ملکی اور رواسم مذہبی اس میں حارج ہوتی ہیں۔ رسم و رواج

قومی ملکی تو امتداد زمانہ سے بدلتے رہتے ہیں۔ جب اکثر افراد جدید تمدن اختیار کر لیتے ہیں تو وہ ہی عوام میں پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ کئی صدی سے چونکہ مذہب بھی محض رسم و رواج تک ہی محدود رہ گیا ہے لہذا مذہبی رسم و رواج بھی بدلنے لگے۔ ورنہ اگر مسلمان مسلمان ہوتے اور ان میں مذہب ہوتا تو کسی قوم کا تمدن ان پر اثر انداز نہ ہو سکتا۔ اگر مسلمانوں کے قلوب میں اپنے رسول کی عزت و وقعت ہوتی تو غیر اقوام کی وقعت ان کے دل میں کیوں گھر کر لیتی۔ اور اپنے محبوب رسول کے تمدن کو ذلیل اور ناکارہ سمجھ کر اغیار کا تمدن کیوں اختیار کرتے۔

افسوس کہ مسلمانوں کی نظر میں قرآن کی کوئی وقعت باقی نہ رہی۔ اور تمام فرقوں نے اس کو بالائے طاق رکھدیا وصیت رسول کو فراموش کر بیٹھے جیسا کہ فرمایا تھا۔ انی تارک فیکم الثقلین۔ کتاب اللہ و عترتی حبل ممدود بین السماء والارض۔ ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی۔ ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ (میں تم میں دو گراں چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ دوسرے میری اولاد یہ دونوں کی) بٹی ہوئی رسی ہے آسمان و زمین کے درمیان اگر تم ان دونوں سے تمسک کروگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے ورنہ یہ دونوں کبھی جدا نہ ہونگی یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں) قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا و لا تفرقوا ترجمہ اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ مگر مسلمانوں نے اللہ کی رسی نہ پکڑی اور فرقہ فرقہ ہی ہو کر رہے۔ اور لطف یہ کہ ہر فرقہ قرآن سے متمسک ہونے کا مدعی ہے۔ مگر رسول خدا قرآن کی زبانی یہی فریاد کر رہا ہے۔ یارب ان قومی اتخذوا ہذا القرآن مہجورا (اے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا ہے) ہر فرقہ نے مذہب کا دار و مدار اپنے فرقہ کی روایات پر قرار دے لیا۔ حالانکہ رسول و آل رسول نے ہدایت کی تھی کہ ہمارے اقوال کو قرآن پر پیش کرو اگر اس کے مطابق ہوں قبول کرو اگر خلاف ہوں تو رد کردو۔ مگر احادیث رسول و آل رسول کی توثیق کے لئے بجائے تطابق بالقرآن علم الرجال کی کسوٹی بنائی گئی جو صریحاً خلاف ہدایت رسول و آل رسول علیہم السلام ہے۔ تمام فرقوں نے یہ کہکر قرآن کا انکار کر دیا کہ ہم قرآن کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ قرآن ہمارے سمجھنے کیلئے ہے ہی نہیں مگر اس پر غور نہ کیا کہ جس طرح کلام خدا کو ہم نہیں سمجھ سکتے اسی طرح خلفاء اللہ کے کلام کو بھی سمجھنا مشکل ہے۔ قرآن اگر سمجھا جا سکتا ہے تو اُن کے اقوال سے اور ان کے اقوال قرآن سے سمجھے جائیں گے۔ بغیر اس کے نہ قرآن سمجھ سکتے ہیں نہ حدیث۔

ممکن ہے میرے اکثر بھائیوں کو یہ باتیں بہت ناگوار گذریں۔ مگر کیا کروں جب قرآن دیکھتا ہوں قلب لرز جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتب و یشترون بہ ثمنا قلیلا اولئک ما یاکلون فی بطونہم الا النار و لا یکلمہم اللہ یوم القیمۃ و لا یزکیہم و لہم عذاب الیم (تحقیق وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کو جو

اللہ نے کتاب سے نازل کیا اور خریدتے ہیں اس کو تھوڑے
داموں وہ لوگ نہیں بھر رہے اپنے شکم میں مگر آگ۔ اللہ
اُن سے یوم قیامت کلام نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کریگا
اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے) اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ
اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَۃِ ۚ
فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَی النَّارِ ۝ (یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے
ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور بخشش کے بدلے عذاب
خرید کیا۔ پس کس چیز نے ان کو صابر بنادیا ہے جہنم پر) جہنم
کا خوف مجبور کرتا ہے کہ آیات قرآنی کو چھپایا نہ جائے۔ لہذا
مجبوراً لکھنا پڑتا ہے۔ قرآن ہی بتلاتا ہے کہ وہ محض اس لیئے
نہیں ہے کہ کلمات کی اور تحریر کی زیارت کرلی جائے، یا
الف لیلہ سمجھ کر پڑھ لیا جائے۔ بلکہ غور و خوض کرنے اور عمل
کرنے کیلئے ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے (سورہ بقر۔ رکوع ۱۴) اَلَّذِیْنَ
اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ط وَمَنْ یَّکْفُرْ
بِہٖ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (جن لوگوں کو ہم نے
کتاب دی ہے وہ تو اس کی تلاوت کرتے ہیں جو حق ہے
تلاوت کرنے کا۔ وہی اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جو اسکا
انکار کریں وہی خسارہ میں ہیں) اس آیت میں قرآن کی
تصدیق اور ایمان بالقرآن کا انحصار اس کی ایسی تلاوت
پر کردیا گیا جو حق ہے تلاوت کرنے کا اور اگر ایسا نہ کیا تو
بجائے تصدیق کے اس کا انکار ثابت ہوتا ہے۔ میرے
مسلمان بھائی تو کہیں گے کہ ہم تو قرآن کو خوب پڑھتے
ہیں۔ آدھا پارہ۔ ایک پارہ روزانہ پڑھ لیتے ہیں۔ پیارے
بھائیو تمھیں قرآن کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں۔ بتلاؤ
بتلاؤ اگر تمہارا کوئی دوست تم کو خط لکھے کہ میں بمبئی میل
سے آرہا ہوں اسٹیشن پر مجھ کو ملو تو کیا اُس خط کو جلدی
جلدی پڑھ کر جیب میں ڈال لوگے۔ کیا تمکو اس کی فکر
نہ ہوگی کہ بمبئی میل یہاں کس وقت پہونچتا ہے۔ اور
کیا اسٹیشن پر نہ جاؤ گے۔ کیا صرف اس خط کو دن میں
دو تین مرتبہ پڑھ لینے کو ہی کافی سمجھو گے۔ وہ کیا حق تلاوت
ادا کیا۔ کیا خالق کے پیغام کا حق تلاوت یہی ہے کہ اسکو
نہایت تیزی سے پڑھتے چلے جائیں۔ آئیے خود قرآن سے
ہی دریافت کرلیں کہ اس کا حق تلاوت کیا ہے دیکھیے
سورہ مزمل وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ (اور قرآن کو
آہستہ آہستہ پڑھو جو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حق ہے) مگر
تیز پڑھنے اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں کیا فرق ہوگا۔ جو
لوگ جلد پڑھتے ہیں وہ اگر آہستہ آہستہ بھی پڑھیں اور
غور نہ کریں تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس لیئے کہ قرآن
کہتا ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ
اَقْفَالُھَا۔ سورہ محمدؐ۔ (کیا قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے
کیا اُن کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں) اب جو لوگ
کہتے ہیں کہ قرآن ہمارے سمجھنے کیلئے نہیں ہے۔ ہم
قرآن کو سمجھ ہی نہیں سکتے یہ تو صحابہ اور تابعین یا اہلبیت
کے سمجھنے کیلیے ہے تو وہ بتلائیں کہ قلوب پر قفل لگے
ہوئے ہیں کس کی طرف اشارہ ہے۔ قرآن تو کہتا ہے
اس کو آہستہ پڑھو اسمیں غور و فکر اور ہم کہتے ہیں یہ ہمارے
سمجھنے کیلیے ہے ہی نہیں۔ تو کیا ہم قرآن کا انکار نہیں
کرتے۔ یہ تو بالکل درست ہے کہ ہم قرآن کو کما حقہٗ
ہرگز نہیں سمجھ سکتے مگر کیا غور و فکر بھی نہیں کرسکتے۔ چاہیئے
تو یہ کہ قرآن کو آہستہ آہستہ پڑھیں اس میں غور و فکر کریں

تدبر اور تفکر سے جو بات سمجھ میں آئے اس کی تائید میں حدیث رسول تلاش کریں۔ اگر رسول و آل رسول کا کوئی قول اس کی تائید میں مل جائے یقین کر لیں کہ جو کچھ سمجھ میں آیا درست ہے ورنہ اس پر مطمئن نہ ہوں)۔

مگر تمام فرق اسلامی نے محض روایات و اخبار کو بنائے مذہب قرار دے کر قرآن اور اہل بیت کو جدا کر دیا دونوں سے تمسک تو اسی حالت میں ہو سکتی ہے کہ رسول و آل رسول کے اقوال کو قرآن سے اور قرآن کو ان کے اقوال سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ سخت تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ لوگ عربی پڑھکر یہ گمان کر لیتے ہیں کہ ہم قرآن و حدیث سمجھنے کے اہل ہو گئے۔ اُردو۔ فارسی اور عربی پڑھکر امتحانات منشی فاضل اور مولوی فاضل پاس کر کے غالب اور اقبال کا کلام بغیر کافی غور و خوض سمجھ لینا ناممکن ہے تو خدا و رسول و آل رسول کا کلام بغیر غور و فکر محض الفاظ ظاہری سے سمجھ لینا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ اس مقام پر صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ حدیث رسول ہے جو تمام فرق اسلامیہ کے درمیان متفق علیہ ہے وَمَن تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جو شخص کسی قوم کی مشابہت پیدا کرے وہ اُنھیں میں سے ہے) یہ کس قدر سہل اور آسان فقرہ ہے جو شخص عربی زبان سے نابلد ہو اور صرف ایک مرتبہ کسی سے ترجمہ دریافت کر لے بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ مگر لفظی معنی جان لینا اور بات ہے اور اس کا مفہوم سمجھنا کچھ اور ہے۔ رسول و آل رسول کے کلام کا مفہوم ہرگز نہیں سمجھ سکتے جب تک قرآن سے تطابق نہ کریں۔ اس حدیث کا مفہوم تمام فرق اسلامیہ نے تشبیہ ظاہری سمجھ رکھا ہے۔ اور اس سے لباس ظاہری مراد لیتے ہیں۔ اگر اس سے لباس ظاہری ہی مراد ہے تو مسلمانوں نے ہندوستان میں آکر جامہ اور پٹکا وغیرہ جو اہل ہنود کا لباس تھا پہننا شروع کیا اور اسی کو اپنا لباس بنا لیا۔ لہٰذا وہ سب منہم یعنی اہل ہنود سے ہو گئے۔ اور اگر یہ درست ہے تو مسلمان صاحبان کو اپنے اُن آبا ر سابقین کی نجات سے مایوس ہو جانا چاہئے افسوس ہے کہ اس حدیث کا مفہوم قرآن سے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ دیکھیں سورہ رعد رکوع ۲ اَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ اُس نے آسمان سے پانی اُتارا پس نالے اپنی اندازے رواں ہوئے۔ سیل نے جھاگ اوپر اُٹھا لیا۔ اور جن چیزوں کو زیور و اسباب بنانے کی خاطر آگ پر گلاتے ہیں ان پر بھی اس کی مثل جھاگ آ جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے۔ پس جھاگ تو رائیگاں جاتے ہیں لیکن جو لوگوں کو نفع پہونچاتا ہے وہ تو وہی ہے جو زمین کے اندر بیٹھ جائے اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔ منقین کی ظاہری تشبیہ بنا کر مغرور ہو جانے والے غور کریں کہ یہ تو تمام کا تمام جھاگ ہے اور رائیگاں جانے والا ہے۔ لباس ظاہری اور افعال اعمال ظاہری مطلق فائدہ رساں نہیں۔ بلکہ

خدا کو تو تقوائے قلوب پسند ہے۔ اگر ہماری نمازیں، روزہ لباس اوراد و وظائف وغیرہ متقین کی نقل ہوں اور دلیرانہ انداز نہ ہوں اور صفائی قلب پیدا نہ کریں تو سب بیکار و لاحاصل ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر تشبہ بقوم سے کیا مراد ہے۔ آیئے قرآن میں تلاش کریں کہ یہ مضمون کہاں ہے۔ دیکھیئے سورہ جاثیہ رکوع ۲ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیاں کمائیں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم اُن کو اُن لوگوں کی مثل قرار دیں گے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لائے کہ اُن کی زندگی اور موت ایک جیسی ہو جائے۔ کیا ہی برا حکم کرتے ہیں) اب تو تشبہ بقوم کا مفہوم واضح ہو گیا کہ مومنین کی زندگانی دنیا۔ ان کی موت اُن کی حیات بعد الموت غیر مومنین کی زندگانی دنیا۔ موت حیات بعد الموت سے مشابہ اور ایک جیسی ہو ممکن نہیں مومنین کی زندگانی دنیا اُن کے اعمال و افعال اپنے اولیا سے مشابہ ہوں گے اور غیر مومنین کے اُن کے اولیا کے اعمال و افعال سے مشابہ ہوں گے۔ اعمال و افعال کا دارومدار خواہشات و جذبات پر ہے۔ لہذا جو خواہشات اور جیسی خواہشات کفار اور مشرکین میں پائی جاویں اگر ویسی ہی ہم میں پائی جاویں تو ہم اُن کے مشابہ ہیں اور تشبہ بقوم میں داخل ہیں۔ اس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہر شخص کفار و مشرکین کی خواہشات و جذبات کا اپنی خواہشات و جذبات سے موازنہ کر سکتا ہے اور خود ہی فیصلہ کر کے نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے غرضکہ قرآن کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان تمدن مغربی میں جذب ہونے لگے اس تمدن کی برائیاں اور اسکے نقصانات دکھلانا پیشوایان دین کا کام تھا جن کے اقوال کو مسلمان خدا و رسول کا قول یعنی حکم شرع سمجھتے ہیں۔ مگر یہاں تو یہ حال ہے کہ اگر کوئی شخص ذرا سی چون و چرا کرے تو بجائے اس کے کہ اس کو محبت و شفقت سے سمجھائیں کفر کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں یا ناراض ہو کر غیظ و غضب کا اظہار فرماتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سائل کے ذہن میں یہ مفہوم پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ کام جس کے متعلق سوال کیا ہے خلاف احکام اسلام نہیں ہے۔

تمثیلاً ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ ایک دفعہ ایک علامہ صاحب تشریف لائے جن کے علم و فضل کا بہت کچھ چرچا تھا اور عوام میں مشہور تھا کہ وہ جناب اٹھارہ علوم کے ماہر ہیں۔ میرے ایک بزرگ جو مغربی تعلیم حاصل کیئے ہوئے تھے نیز مذہبی معلومات بھی اچھی تھی یا بنا بر مذہب بھی نہیں بلکہ ان کو رسوم مذہبی میں اچھا شغف تھا۔ میز و کرسی پر کھانا کھانا شرعی نقطۂ نظر سے کیسا ہے کیا اس میں کوئی قباحت ہے۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ حکم شرع ایں است کہ شخصے باید بہ طعام مسلط باشد۔ ان بزرگوار نے عرض کی کہ قبلہ و کعبہ میز پر کھانا رکھکر کرسی پر بیٹھنے کی حالت میں بھی آدمی ہی کھانے پر مسلط ہوتا ہے کھانا آدمی پر مسلط نہیں ہو جاتا۔

اس پر علامہ صاحب کو غصہ آگیا اور نہایت غیظ و
غضب میں فرمایا نے نے حکم شرع ایں است شخصے
باید بر طعام مسلط باشد۔ اس پر وہ بزرگ خاموش ہو گئے
اس کا اثر ان پر جو کچھ ہوا ہو معلوم نہیں مگر مجھ پر یہ
اثر ہوا کہ میز کرسی پر کھانا کھانا میری نظر میں ممدوح
ہوگیا۔ اور یہ یقین ہو گیا کہ شرعی نقطۂ نظر سے اس میں
کوئی قباحت نہیں۔ اور بھی چند حاضرین ایسا ہی خیال
لیکر اٹھے۔ اس وقت سے چند سال قبل تک یہ حقیر اسی
خیال پر قدیم تھا مگر جب رحمت ایزدی شامل حال
ہوئی تو قرآن نے صاف بتلا دیا کہ یہ کام اچھا نہیں
ہے۔ اس کے عیوب و نقایص روز روشن کی طرح
واضح ہو گئے

مغرب زدہ مسلمانوں کے پاس میز پر بیٹھ کر کھانا کھانے
کی خوبی کی دلیل یہ ہے کہ کھانا جناب رب العزت کی
نعمت ہے اس کا احترام لازم ہے۔ میز پر کھانا رکھنے سے
اس کا احترام ہوتا ہے اور زمین پر رکھنے سے بے حرمتی ہوتی
ہے۔ اور چونکہ یہ کام شرعاً ممنوع نہیں ہے لہذا جائز ہے
امور مباح کے بجا لانے میں کونسی قباحت لازم آتی ہے۔

پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ آیا ہمارے پاس
اس کا علم ہے کہ کھانے کا احترام میز پر رکھنے سے ہوتا
ہے۔ یا یہ محض ہمارا قیاس ہے۔ اگر محض قیاس ہے تو اول
کس نے قیاس کیا۔ اور من تشبہ بقوم کی رو سے
ہم کس گروہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہم مسلمان
ہیں تو ہم کو نعمات خداوندی کا احترام کرنا رسول سے سیکھنا
چاہیئے۔ اگر ہم اس کے خلاف سمجھیں تو ہم نے اپنی رائے اور
عقل کو رسول کی رائے اور عقل سے زیادہ سمجھا۔ گویا ہم یہ
سمجھ رہے ہیں کہ رسول تو نعمت خدا کی توہین کرتا تھا اور
اور ہم احترام کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ اس کا نتیجہ
یہ ہے کہ ہم نے رسول کی تکذیب کی اور اپنے کو اس سے
بڑا سمجھا۔ اس کے لیئے قرآن کہتا ہے والذین کذبوا
بآیاتنا واستکبروا عنہا اولئک اصحاب النار
ہم فیہا خالدون۔ سورہ اعراف (جو لوگ ہماری
نشانیوں کو جھٹلا دیں اور ان سے اپنے کو بڑا سمجھیں وہ
جہنمی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے) ایسے ناقص
اور گمراہ کن خیالات سے اللہ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے آمین
ثم آمین۔

اب رہا دوسرا امر کہ آیا یہ شرعاً ممنوع ہے یا نہیں
اس کیلئے بھی دیکھنا چاہیئے کہ قرآن کیا کہتا ہے۔

(۱) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ
حسنۃ۔ سورۂ احزاب (البتہ تمہارے لیئے اللہ کے
رسول میں پیروی نیک ہے) پس جو کام سنت رسول
کے خلاف ہوگا اس میں نیکی اور خوبی کے بجائے قباحت
ہونا لازمی ہے۔

(۲) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی
یحببکم اللہ (اے میرے حبیب لوگوں سے کہدو کہ
اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو
اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا) ہم رسول کی پیروی چھوڑ کر
اہل یورپ کی پیروی کریں اور پھر بھی مسلمان کہلائیں۔
سبحان اللہ۔ حالانکہ رسول نے یہ بھی فرما دیا ہو۔ ومن
یرغب عن سنتی فلیس منی (جو میری سنت سے

پھرے وہ مجھ سے نہیں) ہم رسول کی سنت سے پھر کر
بھی امت رسول ہیں ہونے کے مدعی ہوں۔ خدا ہمارے
حال پر رحم کرے۔

(۳) کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ (کھاؤ اور
پیو مگر فضول خرچی نہ کرو) جب ہم زمین پر یا چٹائی پر
بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں تو کیا ضرورت ہے کہ اسی کام کے
لیئے میز و کرسی خریدنے پر فضول خرچ کریں۔ یہ اسراف
ہے جو قرآن کی رو سے ممنوع ہے۔

(۴) لا تلقوا بایدیکم الی التہلکہ (اپنے کو
آپ ہلاکت میں نہ ڈالو) یہ امر فطرت انسانی میں داخل ہے
کہ جس طریقہ سے جو کام کرنے کا عادی ہوتا ہے وہی نفس
کو مرغوب ہوتا ہے۔ اگر کسی وقت کوئی امر مانع پیش آجائے
اور اس کام کو حسب عادت نہ کرسکے تو نفس کو اضطرار
لاحق ہوتا ہے لہذا جس شخص کو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانے
کی عادت ہو اور کسی وقت اس طرح بیٹھ کر کھانا کھانا امکان
میں نہ ہو تو بہت ممکن ہے کہ اچھی طرح کھانا نہ کھاسکے
اور نفس کی عادت پوری نہ ہونے سے یہ بھی ممکن ہے کہ اچھی
طرح ہضم بھی نہ ہو نفس کی عادت کو خراب کر لینا خود اپنے
لیئے سبب تکلیف پیدا کرتا ہے۔ نفس کو مکلف کی عادت
ڈال کر ہم خود اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ جو
صریحاً خلاف احکام خداوندی ہے۔

(۵) واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون۔
(اور اللہ کی یاد بہت کرو تاکہ تم فلاح پاؤ) فلاح و نجات
اخروی کا دار و مدار بہ کثرت اللہ کی یاد کرنے پر ہے اور
اس کی یاد اور اس کی طرف نفس کی توجہ اسی وقت ہو سکتی
ہے جب دنیاوی ضروریات کو کم رکھیں۔ اگر بے ضرورت
تکلفات بڑھاتے رہیں گے امور دنیاوی کی طرف توجہ
بھی زیادہ ہوتی جائیگی۔ اور جس قدر توجہ امور دنیا کی
طرف زیادہ ہوتی رہے گی اسی قدر توجہ الی اللہ میں کمی
واقع ہوگی۔ لہذا معلوم ہوا کہ بے ضرورت تکلفات فلاح
عقبےٰ کے حصول میں سدراہ ہوتے ہیں۔

(۶) وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون
(اور ہم نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر اس لیئے کہ ہماری
غلامی کریں) تمام جن وانس اس لیئے پیدا کیئے گئے ہیں
کہ جناب رب العزت کے غلام بنیں۔ غلام کا کام ہے
کہ اپنے آقا کے سامنے تذلل اختیار کرے جس کی بہترین
صورت یہی ہوسکتی ہے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھائے
ورنہ غلامی سے انحراف ہوگا۔

(۷) جاہدوا فی سبیلہ (اس کی راہ میں
جہاد کرو) اسلام ہر مسلمان کو خدا کی فوج کا سپاہی بنانا
چاہتا ہے جس وقت بھی خلیفۃ اللہ کی طرف سے حکم جہاد
صادر ہو اور وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے کو بلائے فوراً
کھڑا ہو جائے۔ احادیث سے بھی یہ امر ثابت ہے کہ
ہر مسلمان کو ہر وقت جہاد کیلیے تیار رہنا چاہیئے۔ لہذا ضروری
ہے۔ اور خدا و رسول کی مرضی یہی ہے کہ ہر مسلمان سپاہیانہ
زندگی بسر کرے تاکہ میدان جنگ کی صعوبتیں اس کیلیے
ناقابل برداشت نہ ہوں۔ اور میز کرسی پر کھانا کھانا سپاہیانہ
زندگی کے بالکل خلاف ہے۔ سپاہی کو تو ایسی عادت
ہونی چاہیئے کہ زمین پر سواری پر کہیں بھی بیٹھ کر کھانا
کھالے۔ جس قدر تکلفات بڑھتے جائیں گے اسی قدر ہم

سپاہیانہ زندگی سے دور ہوتے چلے جائیں گے

(۸) وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا پس تحقیق کہ جنت میں اس کا ٹھکانا ہے) کھانا پینا تو ضروریات زندگی سے ہیں اس کے علاوہ جس قدر زائد از ضرورت تکلفات ہیں وہ محض ہوائے نفس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہوائے نفس کو روکنے کی قرآن سخت تاکید کرتا ہے بلکہ نجات اخروی کا دارومدار ہی نفس کو اس کی خواہشات سے روکنے پر قرار دیا ہے اب یہ غور کر لینا چاہیئے کہ آیا میز کرسی پر کھانا کھانا ضروریات زندگی میں سے ہے یا ہوائے نفس ہے۔ کیا بغیر میز کرسی پر کھانا کھائے آدمی زندہ نہیں رہ سکتا لہذا معلوم ہوا کہ یہ محض ہوائے نفس ہے جس سے اس کو باز رکھنا بحکم خدا و رسول لازمی اور ضروری ہے۔

(۹) اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (تم کو تو بڑھوتری کی خواہش ہی غافل کیئے رہے گی یہاں تک تم قبروں سے ملاقات کرو) زندگانی دنیا میں سادہ طریقہ پر زندگی بسر کرنے کی ضروریات ہی کیا کم ہیں جو میزوں اور کرسیوں کی فضول زیادتی کی جاوے۔ اور اس طرح ہم خود غافل کرنیوالے اسباب میں اضافہ کر کے رحمت خدا سے دور ہوتے چلے جائیں۔

(۱۰) لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ (زمین میں فساد برپا نہ کرو) جب ایک شخص میز و کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا اپنا معمول بنا لیگا تو اس کے اہل و عیال کو بھی یہی طریقہ مرغوب ہوگا۔ اگر گھر میں چھ نفر ہوں تو ایک بڑی میز کھانے کے لیئے درکار ہوگی جسکی قیمت کم از کم للعہ روپیہ ہوگی ۶ عدد کرسیاں تخمیناً پچیس روپیہ کی۔ دو میز پوش ایک استعمال میں رہے دوسرا دھلوایا جائے۔ قیمت تخمیناً دس روپیہ۔ دو سٹ پلیٹوں کے قیمت تخمیناً عـہ روپیہ۔ پھر میز کرسی پر کھانے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ کھانے کا کمرہ بھی علحدہ ہو جو اور کسی استعمال میں نہ لایا جاوے۔ اس کی قیمت تقریباً چھ سو روپیہ ہوگی۔ صرف ایک گھر کے افراد کے لیئے تخمیناً سات آٹھ سو روپیہ زائد صرفہ کی ضرورت ہے۔ جب ایک گھر کے افراد میز کرسی پر کھانا کھانا اپنا معمول بنا لیں تو ان کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے مہمانوں کو بھی اسی طرح کھلائیں جس کے لیئے ان کو کئی ہزار روپیہ کے زائد مصارف برداشت کرنا پڑینگے۔ جتنا صرفہ بڑھے گا اسی قدر احتیاج زیادہ ہوگی۔ اسی قدر معاملات دنیا میں زیادہ منہمک رہنے کی ضرورت ہوگی۔

اس کے علاوہ جن لوگوں کے مراسم ایسے خاندان سے ہوں گے ان پر بھی یہ تمدن اثر انداز ہوگا۔ ان کو بھی اپنے گھر میں میز کرسیاں وغیرہ مہیا کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اور اسی طرح یہ تمدن رسم و رواج عامہ میں داخل ہو جائیگا۔ اگر دو سو گھرانوں نے بھی یہ تمدن اختیار کر لیا تو تقریباً دو لاکھ روپیہ کی رقم اس بے ضرورت کام پر صرف ہو جائے گی۔ اگر یہی رقم کسی مفید اور کارآمد کام پر صرف ہوتی تو قوم و ملک کے لیے کس قدر سود مند ہوتی جب عوام الناس کے غیر ضروری مصارف بڑھ جائینگے تو جلب منفعت کے ذرائع میں حلال و حرام نیک و بد

کی تمیز مشکل ہوگی۔ اور یہی باعث فساد فی الارض ہے۔
بہت سے کام جو ظاہر ہیں نگاہوں کے لیے بہت خفیف
اور ناقابل التفات معلوم ہوتے ہیں نتیجہ میں فساد عظیم
کا باعث ہو جاتے ہیں۔ اگر اس وقت مسلمانوں نے اس
طرف توجہ نہ کی تو پچیس تیس سال کے اندر اندر تمدن مغربی
کا زہریلا اثر ہلاکت کے قریب پہونچا دے گا۔ اس وقت
اگر سمجھ میں آیا بھی تو بعد از وقت اور ناقابل علاج ہوگا۔
میر انیس مرحوم نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

کچھ ہو گا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے انیس
جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے

(۱۱) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہوا بہ سبب اُس کے جو لوگوں کے اُنھوں نے کمایا) تکلفات و اسراف کی ابتدا صاحبان ثروت کرتے ہیں۔ مثلاً میز کرسی پر کھانا کھانا پہلے فارغ البال افراد شروع کریں گے اور عوام کا خاصہ ہے کہ وہ صاحبان وجاہت کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ اسراف اور فضول خرچی کے کام تمام ملک میں ضروریات زندگی کے ہو جاتے ہیں اور جب غیر ضروری مصارف کا بار پڑتا ہے اور ذرائع آمدنی محدود ہوتے ہیں تو ملک میں جرائم کی کثرت ہو جاتی ہے۔ چوری۔ قزاقی قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور تمام ملک فساد سے بھر جاتا ہے یہی باعث جنگ و جدل ہوتا ہے جس سے تمام خشکی اور تری فساد سے بھر جاتے ہیں۔

(۱۲) وَمَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (جو شخص انکار کرے اللہ سے ایمان لانے کے بعد مگر وہ شخص جس پر جبر کیا گیا ہو اور دل اُسکا ایمان سے مطمئن ہو۔ مگر وہ جو کفر کے لیئے جی کھولدے اُس پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے)

جو شخص میز کرسی پر کھانا کھانا فعل حسن سمجھکر اپنا معمول بنائے وہ تو خدا اور رسول کے انکار کے مرادف کام کر رہا ہے۔ مگر وہ شخص جو اس کو مکروہ سمجھتے ہوئے کسی ضرورت میں اپنے کسی مغرب زدہ مہمان یا میزبان کے ساتھ کھانا کھائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ اس کو معمول بہ بنا لینا اور ضروریات زندگی میں داخل کر لینا ضرور موجب خسران دنیا و آخرت ہے۔

ابھی وقت ایسا ہے کہ مسلمان تمدن مغربی کی ہلاکت آفرینیاں سمجھنے اور اس کے بُرے اثرات سے محفوظ رہنے کی طرف توجہ کریں۔ ورنہ جب عادات راسخ ہو جاتی ہیں اور طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں تو مرض مزمن کی طرح لاعلاج ہو جاتی ہیں۔

اس مضمون کی اشاعت سے قبل شرعی نقطۂ نظر سے اس کام کی قباحت کا بین ثبوت افراد کثیر کے اذہان میں موجود نہ تھا۔ مگر اس کی اشاعت کے بعد کسی مسلمان کو خدا کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے گا۔ اور حجت خدا تمام ہو جائیگی۔ اتمام حجت کے بعد عذاب اور ہلاکت قریب ہو جاتے ہیں۔ خدا ہمارے حال پر رحم کرے اور ہم کو اپنے اور اپنے محبوب رسول کی پیروی کرنے کی توفیق

عطا فرمائے۔

میری عدیم الفرصتی اور جہالت اس خاص مسئلہ کے لیئے اور آیات قرآنی پیش کرنے سے مانع ہیں۔ اگر وقت ہوتا اور کچھ علم بھی ہوتا تو کثیر آیات قرآنی پیش کی جاسکتی تھیں اب اگر وقت نے مہلت دی تو انشاء اللہ تعالےٰ

تعلیم مغربی۔ تعلیم نسوان۔ اور تمدن یورپ کے دیگر مسائل پر بھی اسی طرح روشنی ڈالی جائیگی۔

خادم المسلمین

شفاء احمد نقوی۔ ٹیکنکل انجینیر

سپرنٹنڈنٹ الکٹرک اینڈ مکنیک ایم۔ ای۔ ایس ملتان

سوز ناتمام

از

جناب ماہر القادری

وہ قوم جو کہ جہاں کی امام بن کے رہی
محمد عربی کی غلام بن کے رہی

نماز وہ ہے جو سینہ میں بجلیاں بھردے
نہ وہ کہ صرف رکوع و قیام بن کے رہی

نگاہِ مردِ مسلمان جھجک نہیں سکتی
خدا کی تیغ سدا بے نیام بن کے رہی

وہ سانس کام جو آئی تری محبت کے
جہانِ شوق میں نقشِ دوام بن کے رہی

مری نظر سے کبھی کربلا کی خاک کو دیکھ
اُفق پہ دہر کے ماہِ تمام بن کے رہی

صراحی عقل کی گر ٹوٹ بھی گئی تو کیا
یقینِ عشق کا رنگین جام بن کے رہی

وہ منزلت جسے مغلوں کی یادگار کہیں
دکن میں سطوتِ شاہِ نظام بن کے رہی

وہ زندگی جو مقید تھی تنگ غنچوں میں
بہار آتے ہی محشر خرام بن کے رہی

وہ سرزمین جو ویران تھی زمانہ سے
خدا کی شان کہ "دار السلام" بن کے رہی

مرا کلام بھی ہے اُس کے فیض کا پرتو
کہ جس کی بات خدا کا کلام بن کے رہی

سلام

(از افاداتِ عالیہ جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب شادؔ یمین السلطنت حیدرآباد دکن)

نہ زنداں میں اکیلے عابدِ بیمار آئے ہیں — حرم کے رہنے والے بھی بحالِ زار آئے ہیں
علم بر دوش پہنچے حضرتِ عباسؑ جب رن میں — ہر اک جانب یہ غل تھا جعفرِ طیارؑ آئے ہیں
ہوئی ہے آیۂ تطہیر جن کی شان میں نازل — قیامت ہے وہ بے پردہ سرِ بازار آئے ہیں
بس اب میدان میں عون و محمد کا خدا حافظ — کہ ننھے ننھے ہاتھوں میں لیئے تلوار آئے ہیں

خوشی سے کیوں نہ کر دے نذر یہ جانِ حزیں اپنی
دمِ آخر مدد کو شادؔ کی سرکار آئے ہیں

سلام

کرلیں شبیرؑ جو محسوب عزا داروں میں — نام میرا بھی ہو جنت کے سزاواروں میں
اُن کے رُتبہ کی حقیقت کو بشر کیا جانے — تذکرہ جن کا ہو قرآن کے سیپاروں میں
لاشِ اصغرؑ کو دکھا کر یہ نبیؐ پوچھیں گے — کیا یہ معصوم بھی یارب تھا گنہگاروں میں
شوق سے راہِ الٰہی میں دیا سر جس نے — اصل میں ہے وہی جنت کے خریداروں میں
جس کے دل میں ہو حسینؑ ابن علیؑ کی اُلفت — وہ بھلا کیوں نہ ہو جنت کے سزاواروں میں
لا کے بے شیر کو جب سب نے دکھایا شہ نے — خامشی چھائی قیامت کی خطاکاروں میں

قطعہ

بھر کے مشکیزہ رواں جب ہوئے عباسؑ علی — شور تھا لشکرِ کفار کے سرداروں میں
تھے یہ جیتی ہوئی جنگ میں ہو جائے شکست — دیکھو پانی یہ پہونچ جائے نہ حبداروں میں
بے ردائی بیاں دربار میں لائی جائیں — آلِ احمدؐ کی یہ عزت تھی خطاکاروں میں

پرسشِ حشر کا دھڑکا نہیں کچھ مجھکو معینؔ
میں ازل ہی سے ہوں حیدرؑ کے پرستاروں میں

تضمین

قصیدہ جناب مولٰنا مولوی محمد حسن صاحب سنبھلی محشی ہدایہ و شرح وقایہ وغیرہ تخلص عزیز قدس سرہ حنفی چشتی قادری

(نتیجہ فکر ظہیر العلما حضرت ظہیر احمد شاہ صاحب قادری ظہیری سہوانی)

چرخ ہے درپئے ستمگاری — ورطۂ بحر غم میں ہے کشتی
ہو پہنچئے جلد داد کو میری — یا حضور جناب مرتضوی
حضرت حیدر و جناب علی

صاحب افضل سید بطحے — قبلۂ دین و کعبۂ دنیا
مرتضے مجتبے امام ہدے — ابوالحسن بوتراب شیر خدا
اسد اللہ سید عربی

شان ہے تیری ہی خدا آگاہ — بیکسوں کا تو ہی ہے پشت پناہ
حامی فقر سید ذی جاہ — سرور جملہ اولیاء اللہ
بلبل بوستان مصطفوی

تیرے دم سے ہوئے یہ جور و قصور — رات دن کو ملا یہ ظلمت و نور
قبل آدم تھا خلق تیرا نور — وقت آدم سے تا بنفخہ صور
یہ ولایت خدا نے تم کو دی

سب کا حق نے تمہیں کیا مولا — تم کو مبدا کیا ولایت کا
منتہیٰ بھی تمہیں کو ٹھیرایا — اس کا نظم و نسق سپرد کیا
تم سے جاری ہوئی اسکی خوش نظمی

تنگ جینے سے ہوں ہے زیست وبال — آپ سے کچھ چھپا نہیں احوال
تم کو بخشا خدا نے ہے وہ کمال — جس کو چاہو کرو قطب ابدال
غوث و قطب و امام جملہ ولی

میں ہوں کیا اور کیا ہے مطلب — عرض زمانہ ہے اس سے ترک ادب
تم کو قدرت خدا نے دی ہے سب — جس کو چاہو عطا کرو منصب
چاہو بخشو وراثت نبویؐ

کعبہ نازاں تمہارے مولد سے — ربط کیونکہ نہ ہو سوا حد سے
تم کو نسبت ہے سب محمدؐ سے — تم کو ہے اتحاد احمدؐ سے
کہا قرآن میں تم کو نفس نبی

بانیٔ فقر ہو تمھیں شاہا — تم نے پہنا ہے فقر کا خرقہ
اوّلین آئمہ والا — ہو خلافت میں خاتم الخلفا
جیسے پیغمبروں میں ختم نبیؐ

یا علی تم وہ فرد یکتا ہو — معنیٔ مصحفِ مصفا ہو
اس سے اور آگے مرتبہ کیا ہو — تمہیں زوجِ جنابِ زہرا ہو
تمھیں کو تو کیا نبیؐ نے وصی

بستر مصطفیٰ پہ کون رہا — روزہ پر روزہ آپ نے رکھا
شان میں جب تو ہل اتی آیا — یطعمون الطعام تم کو کہا
تم ہو مصداق قول من اشتری

تمھیں اعلیٰ ہو تمھیں اولیٰ ہو — تمھیں خیبر کشا ہو بدا ہو
سارے عالم کے تمھیں مولیٰ ہو — تمھیں تو اوّل الائمہ ہو
اور تمھیں ہو ابو الائمہ بھی

تم سے پایا ہے دین نے اکرام — تم سے زندہ ہے آج تک اسلام
تم کو سب جانتے ہیں خاص و عام — ہوئے پیدا تمھیں سے گیارہ امام
ان سے قطب و وتد نقی و تقی

سب سے کہتے تھے یہ رسول انام — علم کے شہر کا ہے در یہ امام
تم کو بخشا خدا نے وہ اکرام — تم ہو استاد فقہ و علم کلام
تم ہو پیر طریقت صوفی

تم خدا ہیں خدا کے ہو ہم نام — عالم و کامل و حبیبِ انام

فرد بے مثل فاضل متکلام — اور مفسر محدثوں کے امام

منبع فیض صرفی و نحوی

چشم سر جیسے جاگزیں سر میں — عشق احمد ہو جیسے خاطر میں

شان باطن ہو جیسے ظاہر میں — اور جیسے زمیں عناصر میں

اور علل میں جو علت غائی

یا علی تم تو بحر قلزم ہو — دیکھ جرأت کو عقل بھی گم ہو

جیسے صہبائے علم کے خم ہو — مبدء رب کرتبوں کے بھی تم ہو

بانک بنوٹ ہر فن کشتی

قبلۂ جاں ہو کعبۂ ایماں — نور حق سے ہیں عنصر و ارکاں

شان ہے آپ کی خدا کی شاں — کیا نسب کا تمھارے ہو وے بیاں

تم تو ہو ہاشمی و مطلبی

نہیں دنیا میں کوئی اس قابل — مرتبہ ایسا ہو جسے حاصل

اکمل و قاضی باذل و عادل — فیصل ہر قضیۂ مشکل

جامع علم علمی و عملی

کہیئے کعبے میں کون پیدا ہوا — شان میں کس کی ہل اتٰی آیا

برگزیدہ خدا نے کس کو کیا — انت منی نبی نے کس کو کہا

اور کہا کس کو روح کاشف وحی

تم میں ہے جلوہ گر خدا کی شان — تم ہو تفسیر آیۂ قرآن

تم کو کہتے ہیں سب ہی انسان — اذن واعیہ ہے آپ کی شان

ہو در شہر حکمت سرّی

جز نبی کون تم کو سمجھائے — آپ کے زور کا تو شہرہ ہے

باب خیبر کسی سے اکھڑا ہے — فتح خیبر کا تم کو تمغہ ہے

اس کا تم پر نشان ہے عالی

مجھ پہ آفت کہوں کہ کیا کیا ہے — کس مصیبت نے مجھکو گھیرا ہے

یہ ظہیری جو خاص بندہ ہے — حال اب اپنا عرض کرتا ہے

اب مری پیش ہوئے یہ عرضی

دل سے ہر وقت ہوں کھٹکتا میں — راہ سیدھی تھی جو وہ بھولا میں
کیا کروں عرض تم سے شاہ میں — ہوں میں بس چور چور دنیا میں

میری کشتی ہے اس بھنور میں پھنسی

اک تلاطم ہے بحر غبرا میں — ڈوبا جاتا ہوں خشک دریا میں
ناخدائی ہو رنج بے جا میں — ہوں میں بس چور چور دنیا میں

میری کشتی ہے اس بھنور میں پھنسی

نہ تو ساحل ہے نہ کہیں ہے اماں — بحر عصیاں میں آ گیا طوفاں
کیا تزلزل ہے اے شہ شاہاں — تم اگر ہو گے اس کے کشتی باں

تو بھلا میری کشتی کیوں ڈوبی

زندگی سے تنہا میں بیدل ہوں — آپ سے آپ کا میں سائل ہوں
محو حیرت ہوں تو دو گل ہوں — میں غریق بحار مشکل ہوں

تم غریق بحار حال لی

دل میں آتے خیال ہیں کیا کیا — فکر دنیا میں روز و شب ہوں پھنسا
تنگ ہوں حرص و آز سے شاہا — کھوئیے مجھ سے رغبت دنیا

دھوئیے دل سے خواہش مالی

حرص دنیا میں پھنس گیا ہوں میں — تو دہ غم کا سا بن گیا ہوں میں
کیا کہوں کون ہوں کہ کیا ہوں میں — بندۂ بیکس آپ کا ہوں میں

کچھ خبر لیجئے مرے ہادی

مظہر امر کن فکاں ہیں آپ — واقف سر دو جہاں ہیں آپ
سرور جملہ انس و جاں ہیں آپ — افضل جملہ مرسلاں ہیں آپ

ہاں رسل کہہ کہ تم پہ فضل جلی

گو ظہیری جہاں میں ہے بدنام — پر ہے بندہ علی کا وہ ناکام
وہ علی عالی ذوالاکرام — کچھ کہو ہے عزیز اُن کا غلام

چاہے کہہ دیجئے اس کو فضلی

of various important Committees, such as (1) Managing Committee, (2) Public Health, Gardens and Markets Committee, (3) Public Works Committee, (4) The Muslim closed Burial grounds, and several such Committees.

Past Master of Lodge Haromny No. 485. S. C. Karachi. Held several offices of Grand Lodge in Bombay.

A VERY SAD NEWS

Our readers will be deeply moved when they will see that His Eminence Maulana Liqai Ali Haidari, our patron lost his beautiful child on 22 of July 1941. This was the only male issue the Maulana had. The child was motherless. During his short life of 8 years only he was looked after and nourished by his mothers own sister. The Mother of the child died while he was only 2 months of age. At this loss the Maulana has shown a marked patience and perseverence. We have received many a dozen letters of condolence and it is rather difficult to reply to them. We thank the sympathisers and trust they will forgive us for not sending separate replies and will be contented with this apology. We also regret that owing to unavoidable circumstances, this sad event being one of them, we could not publish our magzine in time. We are, however, trying to publish it regularly and if our subscribers also co-operate with us we may soon be able to be regular. We regret to state that a sum of about Rs 10 thousands is outstanding against our customers. (*Editor.*)

" خبر غم "

اسلامی دنیا میں یہہ خبر نہایت افسوس کے ساتھہ پڑھی جائیگی کہ حضرت قمرالواعظین مولانا مولوی سید لقاء علی صاحب قبلہ حیدری دام ظلہ العالی کے اکلوتے فرزند مولوی یوسف علی شہنشاہ حسین حیدری نے اٹھہ سال کی عمر میں ۲۲ جولائی سنہ ۱۹۴۱ء کو انتقال کیا - جس باپ کو اس ہونہار خوش رو خوش خو بچے کی دائمی مفارقت کا جو صدمہ پہونچا وہ کم نہ تھا لیکن حضرات معصومین علیہم السلام کے سچے پیرو جناب مولانا موصوف اس غم میں کوہ صبر و سکون ثابت ہوئے جسقدر حضرات بھی تعزیت کے واسطے آئے اور تلقین صبر دینا چاہی جناب مولانا نے خاصگان خدا کے حالات زندگی بیان کرکے اپنی مصیبت کو بہت خفیف ثابت کیا - خداوندعالم مولانا کو نعم البدل کرامت فرمائے اور اپکے وجود ذیجود کو عرصہ دراز تک صحت و عافیت کے ساتھہ باقی رکھے - آمین - اس صاحبزادہ کی ۳ سال کی مسلسل علالت کیوجہ سے حضرت مولانا دام ظلہ العالی غیر معمولی طور پر مصروف تیمارداری رہے جسکی وجہ سے رسالہ وقت پر شائع نہ ہوسکا اور خریدار صاحبان میں سے بعض کو شکایت بھی پیدا ہوئی -- اگرچہ شکایت نہیں ہونا چاہئے تھی -- لیکن ہم ان تمام حضرات کے بیحد شکرگذار ہیں جنہوں نے حضرت مولانا دام ظلہ کے دینی خدمات اور خلوص پر نظر کرتے ہوئے شکایت کیسی شکوہ بھی نہ کیا -- یہہ پرچہ جون کے بجائے اخر جولائی تک تیار نہ ہوسکا اور ہمیں اسی میں یہہ خبر غم بھی شائع کرنی پڑی - امید ہے کہ ہمارے وہ خریدار صاحبان جنہوں نے آجتک توجہ نہ فرمائی ہے یا صرف ایک سال کا چندہ مرحمت فرما کے خبر بھی نہ لی جلد اپنے چندہ کی رقم بھیجکر دفتر کو بار سے سبکدوش کرینگے اور رسالہ وقت پر شائع ہوسکے گا - کثرت سے خطوط تعزیت موصول ہوئے ہیں اور سب کا جواب نہایت دشوار ہے اس بنا پر ہمدردان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے جواب نہ دینے کی معذرت چاہتے ہیں -

نائب مدیر

candidates inspite of the majority of voters being Hindus in the said Ward.

19. A trustee of several Hindu and Muslim Trust Funds worth several lacs of rupees.

20. One of the Executors and trustees of the will of late Seth Ghulam-Husein Chagla worth about 40 lacs.

21. One of the Executors and trustees of the will of the late Hon'ble Rais Ghulam-Mahomed Khan Bhurgri-estate worth about 50 lacs. I was appointed as a Managing Trustee of the said estate on a yearly remuneration of Rs. 10,000/-.

22. Once happened to be one of the leading members of Khoja Shia Asna-Asheri Jamait, Karachi, and a trustee of the Mosque. But now as an ordinary member of the Jamait and their humble servant.

23. For want of time and various other reasons I had to retire from a number of trust funds.

24. I am thinking of retiring from the remaining trust funds also very shortly and pass my retired life if God Willing.

25. Last year the Karachi Municipal Corporation have, in recognition of my services rendered to the Corporation and the public, named after me the whole of the Machi Meani Quarter in which we are living at present. This quarter comprised of a very large area right upto the Karachi Port Trust and Customs Offices. The Aghakhani Khoja Jamait Khana is also included in this quarter and therefore there was a very great opposition and jealousy against this proposal.

26. Again recently the Karachi Municipal Corporation have named after me one of their Sindhi Vernacular Boys Schools in Lyari Quarter.

Besides, during my tenure of 27 years in the Karachi Municipal Corporation, I had been, several times appointed yearly Chairman

first 5 years from 1903 as a nominated Councillor by Government and later on as an elected upto 30th April 1940.

10. Two sons, viz: Dr. Haji and Ghulam-Ali also remained as elected Councillors of the Karachi Municipal Corporation for several years. But due to certain unavoidable circumstances they had to retire.

11. Elected as Vice-President of the Karachi Municipal Corporation on 5 or 6 occasions and later on as a Deputy Mayor in the year 1937. Acted on occasions as President also.

12. Continued to be a member on the Managing Committee of the Karachi Municipal Corporation for about 25 years, and later on the Standing Committee for 2 years under the New Municipal Act.

13. Elected by the Karachi Municipal Corporation as their representative on the Karachi Port Trust for 5 years.

14. Elected by the Karachi Municipal Corporation as their representative as a Trustee on the Sind Madrasatul Islam for several years.

15. Elected by the Mahomedan Constituency of the City of Karachi as M. L. C. on the Bombay Legisletive Council in 1921.

16. As M. L. C I was appointed on several Select Committees, such as Compulsary Education Bill, the Cotton Excise Committee and several other Committees. I was also appointed on the Matiari Firing Commission along with Messrs The Hon'ble late Mr. Harchandrai Vishindas and the late Mr. E. Raymond the Judicial Commissioner of Sind.

17. Remained as a member on the Government Civil Hospital and Lady Dufferin Hospital and several other Institutions for many years.

18. When there was a joint election for the Karachi Municipal Corporation I succeeded against several prominent Hindu

later on doing business in hides and skins and retired as a landlord, leaving about 4 lacs.

4. Continued as a landlord and money-lender upto July 1927, when on account of the failure of several rich local firms in which I was heavily involved by endorsing their Hundis and Pro-notes, and in order to save my own as well as the honour of the family, I and my youngest son (Ghulam-Ali gave all what we had for the benefit of my creditors by appointing some trustees under a deed of composition. Thus I and my 3 sons and children remained homeless.

5 In all 3 sons, viz: (1) Haji Alidina (2) Dr. Haji and (3) Ghulam Ali. One daughter Sheerinbai. One Grand-son Fida-Husein B. A. LL. B., a great grand-son Kassim Ali and my daughter's son Anverali.

6. The eldest son Haji Alidina is doing no business.

7. My second son Dr. Haji is a M. B B. S., of the Bombay University and was a Health Officer of the Larkana District Local Board getting Rs. 500/-per mensem which post he has since resigned.

8. Youngest son Ghulam-Ali doing his business as a consulting Surveyor which we had at first, after our throubles in 1927 started jointly. But later on. on account of my old age, I retired from the said business and he alone is carrying on the said business in his own name. He is maintaining me and looking after all my comforts in his own house which he had built in about the year 1937 out of the income of his agricultural land which was given to him by Government in 1929 on account of our loyal services rendered to Government, situate in Taluka Shahbunder District Karachi, measuring about 1000 acres.

9. Continuously remained as a Municipal Councillor of the Karachi Municipal Corporation for 37 years, *i. e.* for the

those having any business contact with him, he made his undertaking a big success, and the name of his firm a by word for fair-dealing.

Whilst striving after worldly success Seth Mohd. Ali was not a bit neglectful of his spiritual welfare. The duties he owed his creator and his community were ever before his eyes, and he discharg--ed them to the best of his abilities. This is evidenced by the fact that he was considered by friend and foe alike as one of the most ardent lovers of the Faith, carrying out its injunctions such as Namaz, Roza, Zakat etc. faithfully and with sterling devotion.

His services to his community are many and varied dating from the very commencement of his adult life. Membership of the managing committee of the Community Yateem Fund and secretary-ship of the Masjid for the last many years are but a couple of examples of such services.

His love for the House of God is illustrated by a wish expres-sed by him on his death-bed that the Masjid be throughly repaired, painted and lime-washed at his cost. Needles to say his wish was carried out. He visited the Holy Shrines in Iran and Iraq as a pilgrim and was intending to go to Arabia that he had to submit to the call from heaven.

SHORT BIOGRAPHY OF

Mr. Ghulam-Husein Kassim, Mahomedan Khoja

SHIA ASNA-ASHERI.

KARACHI

(*Photo appeared in January 1941*)

1. Born in Karachi in or about the year 1872, in a silver spoon.
2. Education.-upto 4th standard in vernacular-Sindhi, 3rd Stan-dard in Gujrati and upto 4th in English.
3. Father died in or about the year 1906 at the age af about 86 years. Originally earning about annas 4 a day, and

sad and memorable flood of Musiriver in 1317 Fasli, in which his excellent and sympathetic behaviour towards the distressed and flood stricken subjects of the state are golden record of his noble mindedness and ability. The Nawab Sahab retired from Government service in 1328 Fasli and after serving as a member of the Paigah of Sir Khurshed Jah for 3 years expired on May 5th 1928. He was buried in Mir Momins Dairah and a grand Mausoleam has been erected by his worthy son Nawab Askar Yar Jung Br, who is an M. A. of the Oxford University and a Barrister-at Law After most successfully practising as in the High Court for a long time he has been appointed as Legal Advisor to H. E. H. the Nizam Government and has ever since been discharging his duties to the entire satisfaction of the Government.

WHO IS WHO ?

(Photo already published in January 1941)

SETH MOHAMED ALI DINA

KARACHI.

SETH Mohamed Ali Dina, one of the most prominent and respected members of the Khoja Shia Isna Ashari Jamait, Karachi. expired on the 14th Shaban 1359 Hijri, at the age of 63 years after a brief illness.

In him the Jamait has lost one of its most zealous and selfless servants.

Something written about his life here will not be in vain, since it might serve as a beacon-light to at least some of us.

Seth Mohamed Ali was one of the many children of Seth Dina an ex-Prime Minister of Las-Bela State in Baluchistan. He made Karachi his home at a very early age. Here he made a modest start in the hides and skins business, along with his elder brother.

By dint of hard work, honesty and fairplay with all especially

and wide for his high proficiency in medical science.

Among his ancestors we find eminent persons such as Qudwatul Ulama M. S. Abdullah and his son Shariat-Panah Qaziul Quzat S. Wajeeh Uddin Qazi of Delhi. The son of latter Syed-ul-Ulama. S. Imam Uddin held titles of distinction from the Kings of Oudh and held responsible posts. Even his revered father who was a distinguished scholar and author of about 3 dozen books in different languages (Arabic, Persian and Urdu) was once offered the post of Chief Justice of the High Court at Hyderabad, and the Maharaja of Jodhpur, through late M. Nawal Kishore of Lucknow, wanted him for a responsible post in his court but he could not accept any. Nawab Jabbar Yar Jung Br. was himself a great scholar of Arabic and Persian and was well versed in English language. He was the author of several books. On 16th Feby. 1887 in commemoration of the Golden Jubilee of Her late Majesty Queen Victoria he started Jubilee paper, which served the country for a long time, the Nawab Sahab himself was the Editor. He arrived at Hyderabad on 27th July 1889 and began his practice as a Vakil in the High Court. He pushed forward his profession with great ability, integrity and energy. He was several times an Examiner and secretary to the Board of Examiners for the local Law Examinations. On 31st Ardi Bahisht, 1307 Fasli he was elected as a Member of the Hyderabad Legislative Council for 2 years. He performed his duties so well that though at the end of that period, M. Fida Hosain Khan Sb was elected by the pleaders the Government by a letter dated 4th Khurdad 1309 Fasli, desired to retain him in the Council for a further period of 2 years. But he had to refuse this offer for lack of time owing to heavy professional work. H. E. H. the Nizam on 31st Shahrewar 1324 Fasli selected him as a sessions Judge of Aurangabad. On 16th Khurdad 1325 Fasli, he was elevated to the bench of the High Court of Judicature at Hyderabad which led to his appointment as Chief Justice on 15th Farwardi 1327 Fasli. The Royal favour bestowed upon him in the shape of speedy promotions is in itself an evident proof of his straight forwardness and the excellent manner in which he executed his duties. His services during the

WHO IS WHO ?

(Photograph will be issued in the next issue)

NAWAB JABBAR YAR JUNG BR.

Chief Justice High Court, Hyderabad.

M. S. Abdul Jabbar entitled Nawab Jabbar Yar Jung Br was s/o M. S. Mohd. Ali Hasan Sb Shams and was a distinguished scholar in some of Eastern and Western sciences. Whowas a Descendant of Syed Hamza bin Hamid, Bukhshi-ul-Mulk of Sultan of Turkey who had the Command of a lac of horse men S. Hamza bin Hamid, accompanied by a number of his relations and 30 thousand strong horse men, came to Sarhind during the reign of Sultan Shams Uddin Altamash the then King of Delhi, who gave him a warm and befitting reception. He erected a mosque at Sarhind which is known to this day as the mosque of S. Hamza-bin-Hamid. The said Syed Hamza-bin-Hamid received great honors in the Darbar and among the numerous gifts and bounties from the Royal throne, he received Gotrigung known as Pargana Kotia-Mir in the Tahsil of Kalyanpur in the Fatehpur District. There the Bakhshi settled down and populated a *Qasba* which exists to this day and is known as Hajoopurganj.

Shortly after leaving a few relations behind, Syed Hamza marched to Ceylon. The Raja of Ceylon gave him a resistence and a battle ensued in which the noble Syed was Murdered. His grand tomb still stands there. His son, however, eventually gained victory.

Among those who were left behind by the grand Syed was Ismail, a predecessor of the Nawab Sahib, who raised a village in Tahsil Khaga District Fatehpur which is known as Bahera Saadat. He himself settled there. His another predecessor inhabited village Alipore about a mile off Bahera Saadat which has ever since been the home of the Nawab Sahab. He belonged to a famous learned family which was well known for its knowledge and virtue. His mother also belonged to a very respectable family being the daughter of Afzal-ul-Hukama Hakeem Syed Mehrban Ali Sahab who was renowned far

ize all the ruling power in one man; by whatever name you choose to call him–whether you call him by the name of King emperor, president or dictator, but practically he, in real earnest is the ruler of the State, though other persons along with him also nominally be shown to be sharer of that power. Under such state of affairs to save British India from utter ruination and put an end to communtal dissensions and their after effects it is the best statesmanship to establish monarchy in some form or other in British India for which the following methods have been suggested in the pamphlet:–

1. One of the members of the royal family of England be made emporer of India, and its sovereignity should be confined to his descendents, and for this end the name of royal Duke of Windsor is suggested. The political and commercial relations of England and India may be settled by concluding a treaty, on equal footing in view of the interests of both the countries between the British Crown and the newly created emperor of India. The revival of the dominions existing at the advent of British rule in India and their federation, under the sovereignty of the emperor, with the present Indian States is also suggested.

2. One of the descendents of the Moghal emperors be made emperor of India in the manner stated in No. 1 or

3. One of the present rulers of the Indian States be made emperor of India in the manner stated in No. 1. The name of His Exalted Highness the Nizam of Hyderabad and Berar is suggested for this end or

4. To convert the whole British India into States, thus rendering the whole India consist of Indian States and making the newly created States and the old ones independent States. The federation of all these States in the manner suggested in the pamphlet will contribute in bringing the whole strength of India at one centre. Other matters stated in No. 1 may be considered a part of this heading.

posibility of unity of different races and creeds of British India and their living together peacefully impossible. Under such state of affairs I suggested in one of my treatises to divide British into two parts, northern and southern, alloting the northern portion to Musalmans and the southern portion to Hindus, so they may set up national Government in their portions and develop according to their tastes, habits, customs and usuages, ideals, traditions and culture. Each portion may again be sub-divided into independent States of suitable dimensions, and the whole strength of each portion may be brought at one centre by federating them in such a manner as not to prejudice their characteristics and independence in the slightest degree. The federation of the major portions may also be effected in this way. The abovementioned suggestson is based on the not unusual occurence of daily life when two brothers inheriting a house find themselves unable to live together in peace and unity in the house, they, as a last resource adopt the same course as suggested above to divide the house into two parts and erect a partition wall between their shares to ensure them living in their own ways. Similar schemes have been put forward by other persons also, and they worked them out in their own ways, as I have done mine in my way. As the Asians, from the ancient times, have been worshipers of monarchs and believe, religiously and secularly, monarchy to be natural form of Government conducing to the best interests of the country and its people, not only they but the whole world leans towards it which leads to infer one reasonably that this sort of Government is the natural form of Government. I expressed the same view in one of my previous treatises in these words, "The monarchical form of Government, besides being natural, is the ultimate end of all other forms of Governments which are nothing but the preparatory stages of the evolution of monarchy and without this regal element no Government could possibily be natural, endurable, and smoothly workable. Homer held the same view as he said "The rule of many is not a good thing; let there be one ruler one king," What more cogent proof is required for the truth of this proposition than the present trend of the whole world to central-

principles underlying the theory evolved or conscientiously make it their guiding principle all the suffering of the world is sure to come to an end.

The theory adumberated in the pamphlet may be summarised thus:—

All the nations of the world may be allowed self-determination so that they may set up, in consonence with the social conditions of their respective countries, national Governments without hinderance from others; and evolve themselves by gradual steps to the highest pitch of civilization, and thereby contribute in increasing the general civilization of the world, laying sound foundation for true nationalism which regards the whole world as a vast family and all peoples its members and each people with special duties to perform-their mutual brotherly co-operation with one another for the attainment of the general weal and welfare of the vast family. This is the only way by which such a balance of power in the world could be established as to make every nation, though by itself small and weak, safe and secure from the agression and domination of others. On the line of this theory a rough sketch of the re-adjustment of the countries of the world is given, and how some of them, on the basis of lineal, geographical, ond linguistic affinity may be federated with one another is also detailed. Owing to the lamentable circumstances prevailing in British India it demands special treatment, while the Governments of the Indian States, being in consonance with the social conditions of their respective States, and developing normally they need no intermedling.

The communial dissensions, both religious and secular, resulting in mutual distrust and hatred of the different races and creeds of British India, each faction trying, by fair and unfair means to overlord others, by securing all political power for itself, separating one class from another, giving rise to the struggle for communal supremacy, driving away the tranquility and peace of the country and substituting commotion, unrest and riot for them rendering the

initiative without due regards to circumstances, impose democracy, semi-democracy or an analogous form of Government on them, they would be committing in the words of Mr. Gandhi "An Hymalian blunder" for which, they shall have to rue afterwards, and shall have to resort to most drastic measures to bring back the normal conditions of the countries.

A few months ago I expressed some of my views in a pamphlet entitled "A Message of Pace, Love and Amity to all the Nations of the World" (the English version of which will shortly be issued and promulgated to all over the world, concerning the crisis rampent all the world over and suggested some some salutory measures therefor with the hope, that they with the views expressed in the other treatises issued now and then by me for the sole purpose of doing some good to mankind nenerally and to India the Indian States especially, be of some effect in influencing the minds of blood thirsty votaries of force, which is a menace to civilization, tranquility, peace and safety of the world, and a scourge to humainty itself, and may be of use in moulding the future constitution of British India and the Indian States. It is consoling and at the same time gratifying to me that His Exalted Higness the Nizam of Hyderabad and Berar approving of the views expressed in my previous treatises issued several "Farmans" for adopting the suggestion, made in them; and the then His Excellency the Viceroy of India most probably considering them well opportune and highly useful not only for the Indian States and their peoples but also of great utility to British India and its people sent for many copies of them.

As the theory adumberated in the pamphlet is based on the natural evolution of nations and the consequential development of Governments so I am certain and every reasonable man will agree with me that the constitution of a country not based on the line of the theory evolved is surely doomed to failure as the scheme of imposing semi-democracy in British India has proved itself to be so.

I am sure, that if all the nations of the world act upon the

the ground as to make their position no better than slaves-rather worse than that.

This unnatural propensity inducing the votarees of force to resort to crooked, selfish, and unfair measures to gain the objective at present dominates all the nations of the world with the inevitable result of subverting all civilizations and denying the right of all men and nations to shape their lives as they choose, freely speak their minds, and eat their fills. Those who consider that such are the foundations of any worthy human existence, are, at present at discount. Ignoring the salutory dictum of Shakespeare "One touch of nature makes the whole world kind" and that of Sadi-a Persian poet of international fame" بنی آدم اعضاء یکدیگرند "(Bani Adam Azai Yakdigerund)" mankind are part and parcel of one another" which may be regarded as the foundations of true internationalism, all the nations of the world are obsessed with the idea of nationality for the benefit of their own nations. This is nothing but the relic of Imperialism taken over from ancient Romans with this difference that instead of there being one emperor in the whole domain, the whole nation. individually and collectivey, assumes the status of the emperor, amounting to the worst of all tyrannies-the tyranny of the mob.

I believe, in real earnest that for a country like India, the inhabitants of which are of diverse races and creeds, and whose aims and objects are not only different but also conflicting, and the social conditions of the country have not developed so high as to make their aims and objects atleast artificially concordant democracy or an analogous form of Government cannot possibly be natural or a fit form of Government. Uunder Such state of affairs if British Government and the Governments of the Iudian States ignoring the natural principal that the social conditions of the country determine its form of Government and its constitution to be healthy and enduring must be in consonance with the social order of its people, yield to inopportune and unnatural demands of the majority class or at their own

A very critical moment has arrived and the Indians without any exception are about to face that dreadful aspect of life which would involve them into serious troubles if they are not careful and do not take precautionary measures.

There are different view points expressed and published every now and them about the Situation and the Indians are warned to be alert and careful. It is difficult to agree with any such view or opinion without due consideration.

Our friend M. S. Sirajul Hasan Bar-at-Law is one of those few persons who do more work than they express. He has been very quietly publishing useful literature on the present politics and we take the advantage of publishing a Synapsis of the pamphlet. "A Message of peace &c."

It is hoped that our readers will do justice with it and let us have an opportunity of publishing their opinions about the subject dealt with.

L. A. HAIDARI.

A SYNAPSIS OF THE PAMPHLET ENTITLED

"A Message of peace, love, and amity to all nations of the world"

BY SYED SIRAJUL HASAN BAR-AT-LAW.

(Hyderabad.)

WITH no pretension to leadership I have been a silent worker for the welfare of mankind generally, and of the well-being of India including the Indian States especially, who grieves at the total throw-back of civilization to the dark ages when brute force, stark and unashamed, held the field of life. As events have shown more powerful nations, without moral check to restrain them, think it right to swallow up the less powerful ones; even in India not only the majority rule is sought to be imposed on the British Indian minorities, but also an attempt is vigorously made all round by unfair means to do away with the identities of the Indian States altogether and make them subservient to the interest of the British Indian majority class, and thereby crushing both of them to

Ahil-e-bait and their faithful followers knew no bounds. The lessons, given by Hussain at Karbala, helped them through all this stress and strife and they retained their independence standing like a solid rock in the midst of a sea unshaken by the surging waves.

It happened so that a neice of Umairah had served as a nurse for the children of Ubaidullah ibne Ziyad, who too had sucked her milk. When she came to know of the imprisonment of her uncle she managed to get his freedom through the wife of ibne Ziyad. At the time of release of Umairah from the prison, Mukhtar told him to send him a pen and paper, which he some how or the other arranged to send him. Two letters were emanated from that pen by Mukhtar one to his sister Safia and another to her husband Abdullah ibne Umar bin Khatab. Umairah asked leave of Ubaidullah to leave for Medina who promptly and willingly granted the boon requested and at the same time presented him with two thousand dinars as way expenses. Umairh lost no time in reaching Medina and handed over the letters to persons concerned. Here he received a letter of recommendation on Yazid from Abdullah bin Umar. Having left Medina he soon arrived in Syria and conveyed the letter to Yazid. Yazid wrote to Ubaidullah bin Ziyad to set free Mukhtar, and here too Umairah had to act as a messenger. Umairah stayed for seventeen days in syria and after journeying for full eleven days he reached Kufa. Umairah disgiused himself in rich robes, presented to him by Yazid, and ment to see Ubaidullah. Soon Mukhtar was freed and both these accredited followers of "Ahil-e-bait" came to Abdullah ibne Umar at Medina. It is said that as soon as they arrived at Medina, the wife of Abdullah died due to ecstacy or happiness at seeing her brother Mukhtar.

Mukhtar stayed for a few days at Mecca, where he had come, and while returning to Medina again he met on the way Mus'ab bin Zubair who enquired of the wound on his fore head and that of the eye. He told him of his arrest at Kufa and also informed him that all his energies were diverted on avenging these tyrannies meted out on followers of "Ahil-e-bait". *(To be continued)*

he might be killed. Good tempered, kind at heart, brave, witty and experienced as he was, he was admired and loved by all. He had deep and sincere regard for the "People of the House of Holy Prophet" who too liked him.

When Maa'viah bin Aboo Sufayan deputed Mugirah ibne Shaiba as the governor of Kufa, Mukhtar migrated to Madina and there for many days learned theology under Mohamed bin Hanafia. He again returned to Kufa as he had come to know that the people of that City were in favour of "Ahl-e-bait" and acknowledged them as rightful heirs to Caliphate. Mukhtar too saw the tyrannies, to which the followers of Imam Hassan (may peace of God be on him) were put and also the forced peace between the Imam and Maa'viah. In 60 A.H. Maa'viah died and his son Yazid became the Caliph. Hazrat Imam. Hussain (may peace of God be on him) deputed Hazrat Muslim bin Aqeel to Kufa at the request of the people of that side. Muslim was lodged in Mukhtar's place, who also made 'baiat' of the Imam at his hands

At that time the governor of Kufa was Ubaidullah bin Ziyad who came to know of this. He sent for Mukhtar and rebuked him. He might have even killed him but for the intervention of a prominent person. In the heat of extreme anger ibne Ziyad hit a cane which hurt the eye of Mukhtar. Soon Mukhtar, along with Abdullah bin Haris bin Abdul Muttalib, was put in prison.

There lived a man in Kufa, Umairah ibne Amir Hamdani by name, who taught classes of young boys. It is related that once after he had taken some water he cursed the murderers of Hussain and his ardent followers. He was overheard by a son of Sinvan bin Avas. Sinvan having heard this from his harlat son conveyed the news to Ubaidullah bin Ziyad who issued instantly an order forbidding the people to curse and be of antagonistic view for the tyrants. Poor Umairah too was sent to the gaol where he met Mukhtar and Abdullah. But these hardiment and courageous people withstood the tyrannies of the Yazidite Government whose pride for power and tyranizing the

and a Shudra were classed as *Chandals* . ... The Sanatanists are great advocates of the four systems of Varnas and they particularly say that there is no fifth. So what do they say ? Do they say that the untouchables or the Chandals belong to the Shudra class or do they belong to something other than Shudras ? If they are Hindus they must come somewhere within its fold. If they do not come within its fold then they must be outside Hinduism. I do not know whether they are going to admit them as Shudras or going to put them outside the pale of four Varnas.

Pandit Sen:

They belong to no Varna.

Mr. B. V. Jadhav:

If they belong to no Varna, then I submit, that they do not come within the fold of Hindu religion because the Hindu religion is based upon the four divisions of Varnas. If they are outside these Varna, then they are not Hindus and the question becomes very simple.

—:o:—

"MUKHTAR-I-SAQAFI"

By Mr. A. S. Tejani (Karachi.)

MUKHTAR was born in the house of Abu Ubaidullah bin Masood bin Ameer, who belonged to Saqafee tribe, in the year I. A. H. Daumata-ul-Husna was his mother. His کنیت was Abu Ishaq, while the title being "Kesan". It is related that when he was a mere child Caliph Hazrat Ali (May peace of God be on him) used to call him as "Kais" which means "wise or pious man". Wajeer, Alwajeer, Abul Ruham and Abu Umaya were his four brothers. He was very brave and even at the age of thirteen years he fought in the battle of 'Kais Natif' and won laurels. More often than not his uncle Sa'ad ibne Masood had to put severe checks on his hasty actions lest

Extracts from the Legis: Assembly Debates of the September 33 Session

MR. B. V. JODHAV.

MY learned friend, Pandit Sen defined *Dharma* in three categories, belief in the infallibility of the Vedas, belief in the existence of God and belief in rebirth but I may tell him that the Mimansa School who have a strong faith in the infallibility of the Vedas do not believe in the existence of God and still my learned friend will not deny that the followers of the Mimansa School are Sanatanists or Hindus.

Pandit Sen:

It is not a fact that the Mimansa School does not believe in God.

Mr. B. V. Jadhav:

It is a fact you can read the books on the subject.

Pandit Ram Krishna Jha:

A little knowledge is a dangerous thing.

Mr. B. V. Jadhav:

That is true you may wear that cap if it fits you As regards re-birth many of the Hindus do not believe in it and still they are Hindus. So I have to point out that the definition of Hinduism that my learned friend proposed is not accepted in its entirety. As a matter of fact I have found that it is hardly possible to define it accurately.

* * * * *

* * * * *

Now Sir let us see how this untouchable cammunity came into existence. My learned friend has given us the clue .... I grant for the sake of argument that the issues of a Brahman woman

are the sunnites and because this God forsaken community has adopted this sacred name we have counted Shiaism itself as untouchability. We would suggest to there magnonimous personalities that they should begin to call themselves as Shias and teach us the essentials of Shiaism and we shall be ready to give such idea a deep consideration.

The above extract will open the eyes of the untouchables and they will realize–if they have not done so as yet–that the Hindus of high caste other than untouchables are not prepared to accept or count them as sudras even and that they have no room for them in the fold of Hinduism. What should they do then and where can they seek their remedy. The reply to this question will be one and only one.

"Islam and its fold is the only shelter place for all refugees who do not get shelter elsewhere. The christians too may be looking to these people with tempting eyes but I must tell my untouchable friends that if they really want to have this evil name and ill fame removed once for all their shelter place cannot be any save the fold of Islam.

If they get any refuge in christianity that will be only nominal. Their untouchability will remain just as it was before. They will not have free access to any church where white faced people are allowed to attend religious services. They will not be given a common name. They will be called atmost "Indian Christian", thus proving that they have been captured out of untouchables. To the Hindus the untouchables and other non-Hindus fall under one common head.

If the census report is prepared with all necessary precautions it is hoped that the question of minority and majority will be solved easily and those who have long been thinking of themselves as members of a Majority will come to know and understand that they misled others and were in darkness themselves.

---

while speaking highly so often about the shias, always meant those great personalities who were the leaders and predecessors of the present day muslims who call themselves Sunnies When they saw that other people (who are called Ghalis and Rafzis by the great Shah sahab) began to claim this sacred name "Shia" for themselves they adopted a special name for themselves "Ahlul Sunnat i-Wal Jamaat" as they wanted to differenciate between these two classes of people (See Tuh far Isna asharia). The untouchables have now come to senses and they come forward and try to secure the name "Hindus' for themselves but to their great disappointment the Hindus of a higher class are not prepared to see that the name "Hindus" should become the common property of High class Hindus and untouchables as would appear from the following extract from the legislative assembly debate of September 1933 session.

We learn from some news papers that the shias have tried to have the word "Shia" noted against their name although they are not sole owners or proprietors of this name, we earnestly request our Sunni brothers—the Hanafis—to leave minor differences aside and with open heart allow the Shias to be noted down as Shias at the same time securing the same title for themselves as well. This would give double result. The little difference will be removed easily and will give the untouchables a chance of securing a seat for themselves in the Muslim "Shia" ranks.

Thus, leaving only a few mischief makers alone who in the disguise of a Muslim try by all means, to bring disaster and calamity to the muslim folds the Sunnis and Shias will become one. The mischief makers shall then be given the name of muslim untouchables and in the long run when they will come to senses we or our succeses shall try to remove their untouchability also as according to our religious teaching there should be no untouchables. We know how to remove untouchability and how to purifiy the unclean.

Some broadminded, foresighted or farsighted may say that the shias are not shias in reality and that the real and true Shias

he was fearless in character, fearless in devotion and true to the ideals he faithfully expoused. Husain never tried to drink water. How could he make such a mean attempt whose children were lamenting for water in the tents and whose beloved sons and relatives had been murdered all thirsty. The Tazias are taken out by Shias Sunnies both and with the exception of some of the enemies of Husain, the muslims have all along been paying due homage to this king of Martyrs.

L. A. HAIDARI.

Untouchables and Hindus.

By L. A. Haidari.

MUSLIM MISSIONARY.

(This article was written before census but unfortunately could not be published earlier.)

THE census work has begun and time has come when the Minority of the Hindus will be changed into Majority.

It is high time that those connected with the census work should take all precautionary measures in entering the caste of individuals. The Muslims have unfortunately been split into sections and sub sections and I am afraid the Non-Muslims will try to take the advantage of their discord. I draw the special attention of Muslims in general and untouchables in particular that they should be very careful in getting their caste being noted down. The Hindus do not count untouchables even as sudras and the shias do not seem to be prepared to agree to see that any other Muslim besides themselves is counted as shia. The Muslim authorities like Shah Abdul Aziz of Delhi, who holds a very high rank among the Sunnies (Hanafis) claims that he and his predecessors were all shias and that the holy prophet of Arabia (peace be upon him and his children)

Hurr. But these horsemen of Yazid who came with the intention of taking Husain to the Governor of Kufa, were all thirsty. They had no water to drink for at least 24 hours. Their horses and camels were also dying of thirst. What did Husain do at this time ? If he had any intention of war he could have easily finished these thirsty and dying horsemen of Yazid then and there. See the nobleminded-ness of Husain. He ordered his relations, sons, brothers, cousins, nephews etc to give as much water to those horsemen as they required. Even the animals were given sufficient water. The noble Imam himself looking to all these entertainments. If the Imam had any intention of waging war against the tyrant Yazid there was no hinderence for him. There were people who had hatred for Yazid in the bottom of their hearts and for his kinsmen as well. Only a hint would have been sufficient. But the Imam knew the consequences of all such actions He wanted to give a direct lesson to the world that at such occasions when the honour and prestige of Islam be at stake a Muslim should sacrifice his all for that.

This the Imam did and his heroic deeds of self sacrifice are unique in the history of mankind.

It is not the belief of muslims but many non-muslim students of history have come to this very conclusion.

Professor B. B. Mazumdar of Patna University remarks:—"By his unique and unparallelled deeds of self sacrifice for the cause of truth. He (Husain) became one of those new religious teachers of the world who continue from age to age to guide and inspire all those brave spirits who dare to risk every thing in life for the cause of righteousness".

Dr. H. W. Morneo says:—"Mohamed preached Islam or obedience unto God. Husain adhered to the principales of Truth, firm and unshaken to the end. Such Souls never die end Husain still occupies a high place among the leaders of mankind a source of inspiration to all muslims and exampler to those of other faiths, for

a guide to the muslims. He considered it worthwhile to get rid of such persons who were expected to stand in his way. He sent orders to the Governor of Medina to take an oath of fidelity from such persons and if they refused to have their heads cut off. Husain's name was on the top of the list. The Grandson of the Prophet of Allah did not like to have his blood shed within the four walls of Medina the Holy City of the Prophet and so he left for Mecca. Husain's freinds and relatives requested him to remain in Medina and they promised to help him in case it was needed. But the advice of such persons can never be called prudent as in case Husain's blood was shed in Medina the prestige and honour of the Sacred City would have gone and Husain would have been taken as the cause of all such dis-respect. What happened to Medina and its people at the hands of the tyrant Yazid after the tragedy of Karbala is a clear proof of the mentality and intention of Yazid and his men. Husain went to Mecca and remained there for a few months. Here too he found that his blood shed was unavoidable if he does not leave the place. He left the Holy City of Mecca without performing 'Hajj' only one day before the day prescribed for this Sacred Duty. He was aware that Yazidis in the disguise of pilgrims had reached there and were waiting for an opportunity to murder the grandson of the Prophet of Allah within the four walls of the Holy Shrine-Kaaba. In the meantime the people of the Kufa poured letters from all classes of persons telling him that if he would not attend to their call they would lodge a complaint against him before his Grandfather in the next world. As an Imam-Spiritual Guide-it was his duty to attend to the call of men. He at first sent his cousin as an Ambassador, but while he was on his way to Kufa he heard the news of his Ambassador's Martyrdom. The sons of this Martyrs wanted to take vengeance from the aggressors and so the Imam went on. There was no conspiracy on the Imam's side and history can not support such a foolish and base blame on the Noble Soul, whose aim and object of life was to serve Humanity as best as possible-the way of his father and grandfather. It is true that Husain was met by a party of horsemen under the Command of

never see Kites flying during Moharram days even in the non-muslim quarters. You will, however, find the sky decorated with kites of all descriptions in Lucknow, Benares, Allahabad and other big cities of India, where there is majority of non muslim population, just after the Devali Holidays. It generally falls in October which is really a season for Kite flying. This game has nothing, whatsoever, to do with Moharram or Holidays in connection with the same.

(2. "Islam's Passion Play".

The photo given on page No. 25 is really attractive. Still more passionate scenes can be observed in different parts of the country specially in Lucknow, Delhi, Lahore etc. The Moharram Celebrations and the Mourning Majlises Congregations–) not only stir to passionate grief the hearts of Millions of Muslims in India and overseas but the story of the Martyr of Karbala according to Carlyle and other non-Muslim writers moves the coldest reader in remote countries. Husain never died in 'Kufa' on November 9th, 680. A D. He was mercilessly murdered at Karbala on 10th of Moharram, 61. A. H. which may correspond with some date of September, 680, A. D. The day Imam Husain was martyred was the hottest day of the season. The citizens of Kufa tired of the tyranny and maltreatment of Yazid who had no right to guide people or rule over them, wrote many a letter to the Imam requesting him to help them and attend to their grievences. He was not invited to put himself at the Head of Islam as Husain was declared to be the Head of all Muslims by his grandfather the Prophet of Allah and his father Ali (Lion of God). Yazid was no more than a usurper of rights as every tyrant in power is expected to be.

It is not correct to say that Husain accepted the tempting invitation and set out from Medina with a handful of attendants and his family. Yazid son of Muawia ascended the throne of Damascus after his father's death. He was aware that there were persons in Medina who would not accede to his vicious habits or accept him as

A Letter to the Editor Illustrated Weekly of India, Calcutta.

BY MR. L. A. HAIDARI.
Muslim Missionary.

IN your issue of February 9th last I found under (1) "Patangwala" at work page 42 and (2) Islam's Passion Play on page 25, something which requires your immediate attention as I am afraid the source of information about these two does not seem to be authenticated and reliable. In a highly esteemed and most widely circulated paper like your "Illustrated Weekly" if such things creep un-noticed I am afraid the learned readers if they care to read every page, might form a wrong opinion about certain things which have some importance attached to them. I have taken up No 1 first altough it appeared in the Weekly after No. 2 as it does not require any detailed comment You have written on page No. 42, "Holiday seasons like Moharram provide plenty of thrills from kite battles". Does this refer to Calcutta, Bombay or Madras ? You may be aware that there is hardly any Holiday Season for Moharram in these big cities of India. There is only one Public Holiday on the 10th of Moharram and that too is granted either for "Tazia or Duldul" processions or Akharas" as you mention. In British India whereever there is Holiday for Moharram longer than one or two days it is specially given to those who hold and attend Mourning Meetings day and night and they can hardly attend to other Worldly affairs during these days. Those who observe Moharram cannot be expected to give heed to Kite Battles during the Mournig Season.

You will not be surprised to note that "Moharram is the first month of Islamic Calendar. It is a Lunar Month. Some time it falls during winter season and some time during the rainy or summer seasons. So it will not be wise to mention that "Holiday Season like Moharram provide plenty of thrills from Kite Battles."

In Lucknow where Kite flying is done as an Art, you will

Rich and poor, young and old, man and woman, clad uniformly in the same sober white garment—representative of their complete equality—perform under the scorching sun the ceremony of circumambulating the Ka'ba the sacred stone at Mecca)—and are reminded of the hardships of their afflicted brethren. While elsewhere the rites are flexible, here on the contrary they are rigid and relentless, for a great purpose is to be served--and the assembly has met to fulfill that alone.

FORCE OF UNITY

So great is the importance attached to the doctrine of unity embodied in monotheism that it absolutely overrules everything. As a matter of fact the mere utterance of the words: "There is no God but God" (La elaha ellallah) is more than sufficient to declare a man a true and good Moslem, to reclaim the most inveterate sinner for redemption. Thus the necessary emphasis is laid on the value of concentration, of a unifying force indispensable for success, especially in an atmosphere of disintegration and dissension.

It is obvious, therefore, that the young Moslem finds himself in no way disabled by his religion—and he sticks to it steadily through thick and thin.

It may be wondered why in spite of the forceful manner in which advancement is urged by Islam—the young Moslem of today is not always too conspicuous for stirring himself or being actively engaged in keeping up-to-date. Well, unfortunately, if there is any sphere in which he fails to observe his religious tenets, it is just this, and the fault lies entirely with him.

If any Moslem today feels discomfitted by the onward march of progress, and keeps off it for fear of offending his religious principles, he is labouring under a sad misconception.

It is obvious that if Moslem youths will study their religion intelligently for themselves, their way will be made clearer for them and their task lighter and brighter. *(I. W.)*

owes its remarkable adaptability. It holds out a torch which can shed a new lustre in the most enlightened times. It does not stop at serving only the times and conditions for which it was created.

There is an enthusiastic spirit of advancement latent behind its ideals and aims. "Go in search of knowledge even as far as China." These ideals are characterized by such a penetrating fore-sight, such breadth of vision, such a wide catholicity and sympathetic tolerance that we feel the prophetic presentiment and prediction, foretaste and forewarning, arming us for the changing order of things to come.

"We have created for you all the things on the earth" strikes the note of optimism and progress This is a clear indication exhorting us to live according to the current of the times—to make use of all the advantages provided by science; in a word, not to linger behind or stagnate, not to become recluses or hermits.

DEMOCRACY

Not only are the essential duties ordained simple and few—prayer, fastings, alms-giving, pilgrimages–but also no strict rules are laid down for their performance. Provisos are always made to suit the particular circumstances of individuals. Ill-health, poverty, and such other factors grant many exemptions. Ablutions with water (*Wuzu*) before each prayer are ordained, but if water is not available—as in the desert--it can be substituted by sand Again, pilgrimage is to be performed only by those who are well provided and whose family will not be left without means of subsistence during their absence.

There is all this simplicity and latitude without, however, brooking any tendency to laxity. What is the pilgrimage but a severe military training ? An institution of the democratic ideal of the union of a vast brotherhood—breaking through the barriers of time and space—meeting together on the same day and the same spot to obey the same law and the same commander, to turn together to a common central point, the symbol of their ideal and their unity ?

after. The Holy Quran, while filling us with the ecstasy of the divine, also deals with and lays down the law for, all mundane questions—commerce and matrimony, punishment and crime, inheritance and economics. Thus the Moslem finds himself the happy possessor of a complete and compact vade-me-cum, portable and practicable, ready for reference, to light him on his way and to solve his problems. His life and his faith go and grow hand-in-hand.

Whither should he fly from this beneficent all-protecting force and influence or why should he want to fly from it ?

This does not mean that he accepts his religion, as an infliction. Far from it. He takes pride in his heritage and is fully conscious of its indispensable advantages. He finds both his reason and his yearnings for higher things fully satisfied. There is nothing arbitrary or unpractical in the principles inculcated in the Holy Quran. The Prophet was not a visionary poet but a noble apostle with a sound, bright, and broad outlook on life, sympathetic and tolerant, making allowances for human frailties.

Islam takes for its basis the laws and demands of nature. It does not pretend to kill them, for that is the work of asceticism, and there is "no monasticism in Islam."

Life has to be faced from a more human point of view. We cannot go against the natural grain, nor can we make superhuman efforts. The primary natural instincts, for good or bad, have rolled indelibly through the ages and have been the main springheads of human action. So the right balance is struck by sanctioning, on the one hand, the normal fulfilment of natural demands, and by imposing, on the other hand, checks and restraints on the same. "Eat and drink but commit no excesses." This simple sobriety provides the tonic which, while infusing life and vigour, also acts as a calming anodyne against the fitful and feverish excitement of modern life.

SEARCH FOR KNOWLEDGE

But it is not merely to its natural constitution that Islam

THE MODERN MOULD

In the midst of this strife and struggle, the hustle and bustle of modern existence with its complications and conflicts, how does the young Moslem feel placed ? Does he tread firmly in the path of religion or does he waver ? Can he fit himself into the modern mould of life without violating, altering or adjusting the laws of his faith ?

The answer presents itself very readily. It can safely be asserted that Moslems are as a rule staunchly and fervently religious. Nothing can get the better of their religious zeal. And fortunately the Moslem creed is so constituted that it transcends the limitation of time and space—it can never be at variance or discord with its environment. Its very name, "Islam", is an index to its essence and to its ideals. It means peace and resignation. It inculcates that harmony of existence which discards all jarring elements.

IN DAILY LIFE

Why is it that Moslem youth is so deeply imbued with religious feeling ? Besides a rigorously religious upbringing in childhood, a very vital factor, is responsible for this remarkably beneficial attitude—the Moslem is, so to say, beset by his religion on all sides There is no getting away from it. It pursues him in all walks of life. Islam does not confine itself to administering to the spiritual needs of its followers Its application extends to all the phenomena and relations of life.

Since heaven must be reached from the earth and that too by means of a well-graduated ladder, worldly relations and actions cannot be disdained or neglected. The "Shari'at" or religious path, therefore, while performing its spiritual function also regulates the conduct of life and supplies the legal code.

Thus it is not only in the mosque and the shrine that religion is remembered. It forms a part and parcel of the routine of daily life. The physical as well as spiritual welfare of man has to be looked

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN U. P.

Vol. 5. | March-May, 1941. | No. 1—3.

Islam Transcends Time and Space

BY A YOUNG MOSLEM

In this article a young Moslem looks at his religion in the light of present day needs and shows how it supports him at a time when worldly values are fast changing. The opinions expressed in this article are those of the contributor and do not necessarily represent views of the Editor.

CIVILIZATION, growing at an incredibly tremendous speed, creating incessantly novel forms of life and luxury, touching and transforming all into gold, as it were, confronts us with a disastrous situation, and what should be a complete boon becomes somewhat of a bane.

The feeble and the self-willed, reckless and thoughtless in their attitude, are swept off their feet by this overwhelming flood of forces. They are tossed about by the tempest of a civilization where materialism and pleasure rule the waves and they abandon themselves to the whirling round of riches and revelry, amusement and self-indulgence, without ever pausing to think or even to doubt.

These are utterly blank souls—upon whose "heart and eyes" as the Holy Quran says—"a seal has been placed."

The majority of mankind, however, luckily do not belong to this category. We seek to steer ourselves safely ashore either by our individual efforts or with the help of the guiding hand of religion.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

—— o ——

Vol.5. MARCH--MAY, 1941. No. 1--3.

—— o ——

—o—

Regd. No A. 378.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 5. | MARCH--MAY, 1941. | No. 1-3.

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA RS. 5/- SINGLE COPY (INDIA) -/8/-
FOREIGN RS. 7/- ... ... FOREIGN -/12/-

HONORARY EDITOR
Dr. S. E. A. SHAH NAQAVI.

MANAGER & PUBLISHER
ALI ASHRAF
Kazi Tola, BUDAUN.

Printed by L. Ram Saran Lal Rastogi at the Shanti Press, Budaun.

اسلامی دنیا

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر ایس عنایت علی شاہ

نقوی

اغراض و مقاصد

۱۔ غیر مسلم حضرات کے سامنے حقایق اسلام کو بے نقاب پیش کرنا۔

۲۔ مسلم طبقہ میں رواداری کی مستقل لہر دوڑانا

۳۔ فرقہ وارانہ اختلاف اور کشیدگیوں کی خلیج کو لگاتار پاٹنے کی کوشش کرنا۔

۴۔ احباب کو مخلص اور مخالفین کو دوست بنانا

۵۔ حقیقی علمبرداران اسلام کی سوانح حیات اور اُن کی علمی اور اخلاقی تعلیم کو اصلی رنگ میں پیش کرنا

۶۔ دُنیائے اسلام کے اہم مسائل پر صحیح تنقید و تبصرہ کرکے غیر مسلم حضرات کی غلط فہمیوں کو رفع کرنا۔

۷۔ رعیت اور راعی کے تعلقات کو خوشگوار بنانا۔

۸۔ قرآن مجید کے متعلق جو شبہات پیدا کئے جاتے ہیں ان کو بہ آئین شائستہ زائل کرنا اور ایسی چیزیں دنیا کے سامنے پیش کرنا جو عام فہم غلط فہمیوں کا ازالہ کرکے ہر با فہم انسان کو شیدائے اسلام بنا دیں۔

۹۔ مسلمات شیعہ سنی کے خلاف کوئی شئ اس رسالہ میں درج نہ ہوگی

۱۰۔ اس رسالہ کے نامہ نگار اسلام کے سچے ہمدرد شیعہ و سنی حضرات جو ملک میں کافی روشناس ہیں ہونگے۔

۱۱۔ حضرات علمائے اسلام کثر اللہ امثالہم اپنے بیش بہا افادات سے اس رسالہ کی وقتاً فوقتاً اعانت فرماتے رہیں گے۔

۱۲۔ غیر مسلم حضرات جو مشاہیر اسلام سے عقیدت رکھتے ہیں انکا کلام نظم و نثر بھی اس رسالہ میں درج ہوا کریگا۔

نظام العمل

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کے آخری ہفتہ میں پونچھ سے شایع ہوا کریگا

۲۔ سالانہ چندہ عام شائقین سے پانچ روپیہ ہوگا۔

۳۔ بیرون ہند سے ساڑھے سات شلنگ ہوگا۔

۴۔ یہ رسالہ مخصوص غیر مسلم اداروں اور کتبخانوں میں بلا قیمت بھیجا جاوے گا۔

۵۔ بلا وصول قیمت پیشگی پرچہ روانہ نہ ہوگا۔ جو حضرات وی پی کی اجازت دینگے انکا اخلاقی فرض ہوگا کہ واپس نہ فرمائیں

۶۔ جملہ خط و کتابت و ارسال مضامین بنام مدیر ہونا چاہیئے

۷۔ جملہ ارسال زر بنام منیجر ہونا چاہیئے۔

۸۔ جن حضرات کے پاس رسالہ آخر ماہ تک نہ پہنچے وہ صدر دفتر کو اطلاع دیکر منگوا سکتے ہیں۔

چندہ سالانہ
(پانچ روپیہ) صہ

بیرون ہند سے
عہ

ان الدین عند اللہ الاسلام

اسلامی دنیا

بدایوں

زیر سرپرستی حضرت قمر الواعظین لسان الملت ناصر شریعت تقیۃ الاسلام مولوی محمد لطف علی صاحب مد ظلہ العالی
نائب مدیر مولوی حسن افضل

مدیر مسئول جناب مولوی سید ... علیشاہ صاحب
ایم اے ایل ایل بی لکھنؤ

جلد ۵ — نمبر ۵ و ۶

فہرست مضامین بابت ماہ جون و جولائی سنہ ۱۹۴۱ء

عرض حال

ہندوستان کے طول و عرض میں صدہا نہیں ہزاروں رسالے مختلف زبانوں میں ماہانہ رسالے ہی شایع ہوتے ہیں۔ اور جس جس قوم سے ان رسائل کا تعلق ہے اس کے آثار زندگی رسالہ کی کامیاب یا غیر کامیاب صورت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ہماری غریب قوم اس نمبر پر درج کی جاتی ہے۔ جو آثار زندگی سے کوسوں دور ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ قوم کی عام توجہی اردو رسائل سے تو اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ان میں عام دلچسپی کا سامان موجود نہیں ہوتا۔ اگر خوش نصیبی سے کسی رسالہ کا معیار بلند ہے تو اس قسم کو پسند کرنے والے کم۔ اگر معیار پست ہے تو خاص طبقہ کی نظروں سے محروم اور اسی بنا پر اشاعت محدود۔ توجہ مفقود اور ذرایع آمدنی مسدود مجبوراً اشاعت بمن لغرض انفصال مقدمہ یا کتابوں کے اشتہار یا ان دواؤں کے اشتہارات سے رسالہ کے مصارف پورے کرنے کی کوشش کیجاتی ہے جو کسی طرح ایسے گھر میں پڑھے جانے کے قابل نہیں جہاں اخلاق فاضلہ کی مالک صنف نازک کی افراد ہوں۔ ایک اور بات بھی ہے جو قابل غور ہے بلا سرمایہ کے متوکلاً علی اللہ کام شروع کر دینا اور صرف اس امید پر رسالہ ماہانہ یا اخبار ہفتہ وار کو جاری کر دینا کہ

کرمن و اشتہار تو مل ہی جائیں گے حد درجہ کی پست ہمتی اور کوتاہ نظری کا ثابت کرنے والا ہے ہمارا غریب رسالہ بھی اسی فہرست رسالہ جات میں ہے اور کسی نہ کسی قسم میں ضرور آتا ہوگا۔ رسالہ ہے تو ماہانہ لیکن کبھی دو ماہ کا اور کبھی تین ماہ کا ایک ساتھ شایع ہوگیا۔ جن حضرات نے رقم پیشگی مرحمت فرمائی ہے وہ تو ضرور شاکی ہوں گے کہ ماہانہ رسالہ دوماہہ اور سہ ماہہ کیسا لیکن حیرت تو یہ ہے کہ جو حضرات کچھ بھی نہیں دیتے یا ۵ سال کے چندہ میں صرف ایک سال کا ادا کرنے کے بعد "واجب کفائی" سمجھ کر خاموشی اختیار کر چکے ہیں ان کی شکایت کہ رسالہ بدیر شایع ہوتا ہے اور دو ماہہ اور سہ ماہہ نکلتا ہے ضرور مضحک ہے۔ کاش اس قسم کی شکایت سے قبل وہ اپنے ذمہ کی رقم ادا کر دیتے۔ اور پھر دیکھتے کہ شکایت کا موقع باقی رہتا ہے کہ نہیں۔ اس مرتبہ پھر رسالہ دو ماہ کا یکجائی شایع ہو رہا ہے۔ اور آئندہ سے انشاء اللہ تعالی بالالتزام ماہانہ شایع ہوگا۔ چاہے صفحات کم کر دیئے جائیں۔ لیکن ہم اپنے تمام ہمدردان کو مطلع کرتے ہیں کہ رسالہ کا معیار اگر خدا نے چاہا تو ہرگز پست نہ ہونے دینگے بلکہ بلند تر بنانے کی کوشش کرینگے۔ ہماری

معذوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ حضرات جو قومی جذبہ اپنے اندر رکھتے ہیں صرف اس قدر مدد فرمائیں کہ اگر وہ رقم چندہ واجب ادا نہ کرنا چاہیں تو صرف تین پیسے خرچ کر کے اپنی معذوری یا مجبوری کی وجہ لکھ کر دفتر کو بھیجدیں۔ ہم نہ کسی فنڈ کی کبھی اپیل کرینگے نہ عدم توجہی یا عدم ادائیگی کی شکایت کرینگے۔ بلکہ اس قسم کے تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اعلان کر دینگے کہ ہماری کل یا جزو رقم ادا ہوگئی۔ اب افراد قوم کے ذمہ کچھ باقی نہیں رہا ہے۔

ہم وی۔ پی ہرگز نہ بھیجیں گے۔ ہمارے پاس کافی تعداد اُن باہمت حضرات کی ہے جو درد قومی رکھتے ہوئے کسی خادم دین شخص یا آرگن کی وقعت اپنے دل میں رکھتے ہیں۔

خدا کرے کہ ہماری باہمت قوم توجہ کرے اور ہمیں بار بار لکھنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔

خاکسار

نائب مدیر

نوٹ: ہماری گزشتہ درخواست پر صرف اس قدر توجہ ہوئی کہ صرف ۵۹ رسالے کی قیمت ادا کی گئی خیر مضائقہ نہیں اب ہمارا اُن حضرات سے کوئی مطالبہ نہیں ہے بلکہ شکریہ ادا کرتے ہیں جن حضرات کے پاس اس کا پرچہ نہ پہنچا ہو مطلع فرمائیں۔

نَقدُ وتبَصرہ

کچھ ہندوستان ہی پر موقوف نہیں ہے۔ دُنیا بھر میں جسقدر کتابیں شایع ہوتی ہیں، جب تک اُن پر قبر اخبارات یا رسائل تبصرہ نہ کریں پبلک متوجہ نہیں ہوتی اور صرف ایک ہی صورت اشاعت باقی رہ جاتی ہے کہ مولف یا مصنف خود اپنی کتاب کے متعلق بیج کی صحبتوں میں یا جلسہ عام میں لوگوں کو شایق بنائے۔ اس صورت میں کتاب کی اہمیت کم ہوجاتی ہے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ اس قسم کے ریویو جیسے عام طور پر ہمارے ملک میں کئے جاتے ہیں کسی کتاب کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کا موقعہ نہ دینے۔

دنیائے اسلام میں ایک مقولہ زبان زد خاص و عام ہے: "حسبنا کتاب اللہ" اس کا جو اثر عوام اور

خواص پر ہوا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ میدان مناظرہ میں اسی ایک بحث پر وہ نبرد آزمائیاں ہو چکی ہیں کہ پناہ بخدا۔ ایک گروہ اس قول کی تائید میں اسدرجہ منہمک کہ اکثر و بیشتر بے سمجھے بوجھے اس خیال کے مخالف سے جنگ پر آمادہ اور دوسری طرف مقابل کے جذبات کا مطلق احترام نہ کرتے ہوئے اس قول کی رد میں صرف قول خدا اور رسول پیش کرنے پر اکتفا نہ کر کے جو کچھ زبان نے یاری دی بعض پر جوش حضرات سب کچھ کہہ گذرتے اس سب کا نتیجہ صرف یہہ ہوا کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کی تحریر دیکھنے اور بیان سننے کے واسطے نہ آمادہ نہ وادار اپنی حقیقت واضح ہو تو کیونکر ہو سکی۔ مدصورت صرف یہی ہو سکتی ہے

کہ ایسے عنوان سے اس مبحث پر یا کسی دوسرے مبحث پر
محتاط اہل قلم خامہ فرسائی فرمائیں جو کسی دیکھنے والے
کے جذبات کو ٹھیس نہ لگائے۔ ہم نے گزشتہ ۲۵-۳۰
سال کے عرصہ میں ملک کی شایع شدہ کتابوں پر
ریویو اور تبصرے پڑھے لیکن کبھی کبھی حقیقت تحریر کے
خلاف نکلی۔ بعض کتابیں تو صرف اس لئے تصنیف کی
جاتی ہیں کہ گذر بسر کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے کتاب کی
تصنیف و تالیف ہی ہے جو سرمایہ علمی دوامی کام ہے
جلد لکھنے والا کا دیوالہ نکال دیتا ہے بعض کا مقصد
کسی کتاب کے رد لکھنے سے ہوتا ہے کہ شہیدوں میں
داخل ہونا ہوتا ہے۔ دنیا اب بہت آگے جارہی ہے
تحقیق و تفتیش کا دروازہ ہر شخص پر کھلا ہوا ہے۔ اہل
علم صرف اس کتاب کی طرف متوجہ ہوسکتے ہیں جس
میں مقصد کے اعلیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ عنوان
شائستہ۔ استدلال معقول، طرز ادا دلکش طباعت
وکتابت دیدہ زیب اور ان سب سے مقدم (صرف
ہندوستان میں) قیمت کم ہو۔ ایسی کتاب ہاتھوں ہاتھ
لی جاتی ہے اور مصنف یا مولف کو واقعی داد اور اس کی
زحمتوں کی ملجاتی ہے۔ مصنف ناطق المعروف بہ
حسبنا کتاب اللہ وہ نادر کتاب ہے جو اس آخری
قسم کی کتابوں میں گل سرسبد کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا
ہم تنقید اور تبصرہ کے معاملہ میں رورعایت کرنا نہیں
جانتے۔ اس کتاب کے دو حصے ہمارے پیش نظر ہیں
جو مصنف غلام سلطان المتکلمین ماہر علوم قدیمہ وجدیدہ
علامہ مولانا سید محمد سبطین صاحب قبلہ سرسوی بی اے
ایس پروفیسر گورنمنٹ کالج لدھیانہ کے شاہکار قلمی کہے
جانے کے مستحق ہیں حصہ اول علاوہ ٹائیٹل کے صفحات
کے ۱۲۰ صفحات کا حجم رکھتا ہے اور قیمت صرف ۸ ہے
جو باعتبار اپنے مضامین عالیہ وصوری خوبیوں کے
بہت کم ہے۔ دوسرا حصہ بھی غالباً اسی قیمت کا ہوگا
تیسرے حصہ کا حجم علاوہ ٹائیٹل کے ۱۱۲ صفحہ ہے اور
قیمت قسم اول عہ قسم دوم ۱۲ ہے جو واقعی کچھ نہیں ہے
قدردانان علم ان جواہر پاروں کی جس قدر قیمت
کریں وہ کم ہے۔ مولوی سید محمد اصغر صاحب جعفری
بی اے منیجر البرہان لدھیانہ سے طلب کرنے پر مل سکتی
ہیں۔ محصول ڈاک و پیکنگ ذمہ خریدار ہوگا۔ چند جلدوں
کی خریداری اگر ایک ساتھ کی جائے تو کسی قدر رعایت
ہو ناممکن ہے۔ اگر کتاب فوراً طلب نہ کی گئی تو اشاعت
آئندہ تک انتظار کرنا پڑیگا۔ قرآن مجید کے متعلق مکمل
تحقیق مستند حوالہ جات کے ساتھ دیکھنے کے شائقین
فوری توجہ کریں۔

خادم دین

محمد لقا علی حیدری واعظ ۲۳ اگست ۱۹۴۱ء

کوکب دری فی فضائل علی

ترجمہ

مناقب مرتضوی مصنفہ حضرت مولانا سید محمد صالح صاحب
کشفی ترمذی الحنفی ابن عارف باللہ حضرت سید عبداللہ
مشکین قلم جناب الحاج مولانا سید شریف حسین صاحب
سبزواری نے مناقب مرتضوی کا ترجمہ کرکے اردو دان

مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا اور اپنے واسطے زاد آخرت
فراہم کیا۔ مولانا کشفی صاحب طبقۂ شعرائے کرام میں
اہل سنت حضرات کے نزدیک ایک ممتاز درجہ رکھتے
ہیں علم تفسیر اور حدیث پر کامل عبور رکھنے کے ساتھ اہل
باطن میں اس مقام کے مالک ہیں جو عرفاء کے نزدیک
بہت بلند ہے آپ کی نظم ہائے مناقب دیکھ کر یہ
اندازہ ہوتا ہے کہ فن شعر گوئی میں بھی آپ کو کمال حاصل
تھا اس عارف باللہ نے مناقب مرتضوی لکھ کر اپنے بے
تعصب ہونے کا ثبوت دیا۔ ایسے زمانہ میں جب کہ
دشمنان اسلام فضائل و مناقب اہل بیت کرام پر
پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوں۔ محبان
اہل بیت کا فریضۂ اولین یہی ہونا چاہیئے کہ وہ ان
گندم نما جو فروش حضرات کا پردہ مکر و فریب چاک
کردیں اور بتادیں کہ حضرات اہل سنت بھی محبت
اہل بیت کرام کا دم بھرنے والے اور ان کے مے ولا
سے سرشار ہیں۔ اہلبیت کرام سے اختلاف رکھنے
والا ان کی منقصت کرنے والا ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتا
مخدوم زادہ والا تبار مولوی سید محمد اصغر صاحب
بی اے منیجر رسالہ البرہان لدھیانہ مسلمانان ہند
کے شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے اس اہتمام بالشان
کتاب کا ترجمہ شایع کرکے دنیا کو دکھا دیا کہ مشاہیر
اہلسنت قرون ماضیہ سے اپنی اپنی تالیفات تصنیفات
میں فضائل و مناقب اہل بیت کا کافی ذخیرہ جمع
کرگئے ہیں۔ جو دست برد زمانہ سے محض ان حضرات کے
تصرفات باطنی کی بنا پر محفوظ رہ سکا

اس کتاب میں کیا ہے یہ تو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے
لیکن ہم صرف اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ تفسیر، حدیث
تاریخ۔ سیر اور مناقب کی معتبر اور مستند کثیر کتب
کا لب لباب اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے اکثر اہم
مطالب اور مباحث پر سیر حاصل اسناد پیش کی ہیں
جا بجا عمدہ مناقب درج کرکے کتاب کو زیادہ دلچسپ
بنایا گیا ہے۔ یہ مناقب منظومہ مولانا کشفی علیہ الرحمۃ
کے ہیں۔ اس کتاب کی خوبی کو وہ چند نہیں صد چند
بڑھانے والا وہ مقدمہ ہے جو حضرت علامہ فہامہ سلطان
المتکلمین مولانا سید محمد سبطین صاحب قبلہ زاد شرفہ العالی
کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ حضرت علامہ موصوف نے
نہایت معقول عنوان سے اس مقدمہ میں ان چیزوں
کو درج کیا ہے جو کتاب کی روح رواں کہی جانے
کی مستحق ہیں۔ مع مسائل و مقدمہ تقریباً ۷۰۰ صفحہ ہیں
لکھائی چھپائی دیدہ زیب کاغذ عمدہ باوجود ان تمام ظاہری
اور باطنی خوبیوں کے قیمت حصہ اول ہے قسم دوم ۱۲؍
درحقیقت یہ قیمتیں ان کتابوں کی اس زمانہ کی ہیں
جب کہ کاغذ ارزاں تھا لیکن ان کتابوں کی اشاعت
سے صرف خدمت جامعہ اسلامیہ مقصود ہے اس لئے
باوجود کاغذ کے حد درجہ گراں ہوجانے کے ابھی تک
قیمت میں اضافہ نہیں ہوا ہے اگر فوراً توجہ نہ کی گئی
تو اندیشہ ہے کہ قیمت دو چند سے بھی زیادہ ہوجائیگی
ہم ان ناظرین اسلامی دنیا سے جو اردو زبان کی سرپرستی
ضروری سمجھتے ہیں پر زور اپیل کرتے ہیں کہ فوراً ان
کتابوں کو طلب کرکے اپنی علم دوستی و زبان پروری

کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے کتب خانوں کی زینت میں بیش بہا اضافہ کریں فقط۔

خادم دین حنیف

محمد نثار علی حیدری واعظ

آہ سرکار نجم العلماء

۱۸ صفر ۱۳۶۰ھ کا وہ مصیبت ناک دن تھا جس روز شیعان ہند اس بزرگ مقدس اور پیکر روحانیت عالم دین کے سایہ سے محروم ہوگئے جو اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ ہم نے قدما کا دور تو نہیں دیکھا لیکن اس آخری زمانہ میں جو درحقیقت دور ابتلا ہے۔ ہم نے یہہ دیکھا کہ شیعان ہند کا مرجع اور مآب صرف دو ہستیاں رہیں یا سرکار نجم العلماء طاب ثراہ اور یا خدا نظر بد سے بچائے رکھے اور ظہور حضرت حجۃ علیہ السلام تک اس ناصر دین مبین کو قائم رکھے جو علمی دنیا میں صدر المحدثین اور روحانی دنیا میں ناصر الملۃ والدین ہیں۔ پندرہ بیس سال کے ذاتی تجربہ کی بنا پر مجھے یہہ کہنے کا حق ہے کہ ہم نے ان دونوں بزرگوں کے علمی اور روحانی فیوض اور برکات ہندوستان کے ہر گوشہ میں دیکھے خود لکھنؤ جو مرکز علم دین ہے وہاں بھی خاص و عام کی زبان پر اگر ذکر رہا تو انہی دو بزرگواروں کا اس کے خدانخواستہ یہ معنی نہیں کہ لکھنؤ میں علماء دین کی کمی ہے لیکن جن خصوصیات کے یہ دونوں بزرگ

مالک رہے ہیں وہ ان کی ذات مقدس سے ہی وابستہ ہیں مجھے اس مقالہ میں چونکہ سرکار نجم العلماء ہی کے متعلق لکھنا ہے اس لئے میں اپنی تحریر کو محدود کرتا ہوں دنیا میں مشاہیر پیدا ہوئے اور انتقال فرما گئے اُن کی وفات ہر زمانہ میں زبردست قومی اور مذہبی نقصان سمجھی گئی۔ لیکن اکثر زمانہ ایسا گذرا ہے کہ ایک باکمال کے انتقال سے قبل دوسرا باکمال اس کا جانشین موجود رہا ہے۔ اور اگرچہ کسی باکمال کا اُٹھ جانا نقصان عظیم ہے لیکن بہتر جانشین کی موجودگی نے اس کمی کو محسوس نہ ہونے دیا۔ بعض اہل کمال ایسے گذرے ہیں کہ انھوں نے بہتر جانشین چھوڑنے کے باوجود اپنے علمی خزائن اس طرح سے قوم اور ملک کے واسطے چھوڑے کہ قیام قیامت تک اُن کا نام باقی رہے گا۔ حضرت مفتی علام سرکار شریعتمدار آقا مفتی سید محمد عباس صاحب علی اللہ مقامہ علماء شیعہ میں ایک ممتاز اور مایہ ناز ہستی گذرے ہیں شاگرد ایسے تھے کہ اُستاد کو اُن پر ناز تھا۔ اور استاد ایسے تھے کہ شاگرد ان کی حیات میں ہی سرفراز ہوئے

جناب مفتی صاحب علی اللہ مقامہ اُن باکمال ہستیوں میں سے ایک تھے جنھوں نے اپنا بہترین جانشین بھی چھوڑا اور "زندہ یادگار" وہ تصانیف کثیرہ چھوڑیں کہ جب تک شمس و قمر طلوع اور غروب کرتے رہیں گے وہ جواہر پارے علمی و ادبی دنیا میں ضیا پاشی کرتے رہیں گے۔ اخبار "سرفراز" نے سرکار نجم العلماء کی علالت اور وفات حسرت آیات کے مقالے شائع کئے اور اطراف ہند میں شیعان اہل بیت اطہار کو ضروری حالات سے مطلع کیا۔ سرکار نجم العلما کی وفات کے بعد تجہیز و تدفین وغیرہ کے متعلق بھی دور افتادہ حضرات کو وہ منظر دکھا دیا جو اہل لکھنؤ نے مشاہدہ کیا تھا حالات زندگی پر بھی خفیف روشنی ڈالی اور ایک حد تک اپنے فرض کو ادا کیا لیکن معاصر "سرفراز" سے بالخصوص و دیگر اخبار نویس حضرات سے بالعموم ہمیں یہ شکوہ ہے کہ انھوں نے وفات اور حالات کے دریافت کرنے میں ذرا کم توجہی سے کام لیا مختصر سوانح حیات تو جناب مفتی صاحب علی اللہ مقامہ کی سوانح عمری میں بھی مل جاتے اور وہ باوجود اختصار کے بہت زیادہ اہم ہوتے۔ سرکار نجم العلما طاب ثراہ کے شاگردوں کی فہرست میں علامہ سید محمد ہارون صاحب اعلی اللہ مقامہ کا نام نہایت خصوصیت کے ساتھ لکھا گیا ہے مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ علامہ موصوف کی کتاب "الطال التناسخ" کے دیباچہ یا مقدمہ میں حضرت مولانا خواجہ غلام الحسنین صاحب پانی پتی۔ اعلی اللہ مقامہ نے ان کے اساتذہ اور انکی تصانیف کا تذکرہ فرمایا ہے۔ غالبًا طالب علمی کے آخری زمانہ میں علامہ موصوف نے سرکار نجم العلماءٔ طاب ثراہ سے بھی کچھ استفادہ فرمایا ہے۔ جن بزرگواروں کا اُن کو شاگرد لکھا گیا ہے وہ چند دیگر مقتدر ہستیاں ہیں۔ لیکن اس شاگرد کا نام نہ سرفراز کو یاد رہا اور نہ معاصر "نور مراد آباد" کو جس پر استاد کو ناز تھا اور جو سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کا شاگرد رشید ہونے پر فخر کرتا تھا۔ اگر وہ کوئی معمولی ہستی ہوتی تو میں اس طرف متوجہ نہ ہوتا لیکن درحقیقت وہ ایسی بزرگ شخصیت تھی جس کا تذکرہ سرکار نجم العلما طاب ثراہ کے سلسلہ شاگردان میں نہ ہونا خود جناب جنت مآب کی صریحی ہتک ہے وہ میرے استاد معظم سند العلما فخر الحاج والمعتمرین جناب مولانا شیخ محمد اعجاز حسن صاحب اعلی اللہ مقامہ ہیں شیعی دنیا میں یہ بزرگوار کسی تعارف کے محتاج نہ تھے ساری زندگی تحصیل علوم اور خدمت دین مبین میں گذری۔ یہ وہ شاگرد سرکار نجم العلماء تھا جسکو استاد معظم نے اپنا فرزند فخریہ کہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ سوانح نگار حضرات اس غلطی کا اعادہ نہ کرینگے۔

ہم اس وقت سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کے سوانح حیات نہیں لکھ رہے ہیں اس کو کسی مناسب موقع پر ہی اسلامی دنیا کے صفحات پر اردو انگریزی میں انشاءاللہ پیش کیا جائے گا۔

نور کے اس بیان سے مجھے قطعی اختلاف ہے کہ مدرسہ ناظمیہ کی خدمات سے سبکدوش ہوکر جناب سرکار علامہ نے مدرسۃ الواعظین کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی

سرکار نجم العلماء طاب ثراہ نے اس وقت تک مدرسہ ناظمیہ کی خدمات انجام دیں جب تک اُن کی بصارت نے کام دیا۔ مدرسۃ الواعظین کا وجود ۱۹۱۹ء میں ہوا ہے اس وقت سے برابر دونوں اداروں کی نگرانی و انتظام جناب کے ہاتھوں ہی سے ہوتا رہا۔ البتہ مدرسہ ناظمیہ میں تعلیم کا سلسلہ چند سال سے ملتوی کر دیا گیا تھا لیکن مدرسۃ الواعظین کی سرپرستی آخر دم تک فرماتے رہے۔ رسالہ نور میں صفحہ ا پر سرکار محترم کا اتنا زبردست اقتدار شیعوں کے دل میں تھا کہ سوائے جناب سرکار ناصر الملۃ دامت برکاتہم و عمت افاضاتہ ہندوستان کے کسی دوسرے مجتہد کو نصیب نہیں ہوا۔ جو عبارت درج ہے یہ بھی فی الجملہ تشریح کی محتاج ہے۔ غالباً مدیر محترم کی مراد کسی خاص زمانہ سے ہوگی۔ ورنہ خود حضرات علماء اعلام لکھنؤ میں سرکار باقر العلوم اعلی اللہ مقامہ و جناب قدوۃ العلماء اعلی اللہ مقامہ جو سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کے معاصرین میں تھے ہندوستان کے عرض و طول میں کافی اثر و اقتدار کے مالک تھے۔ صفحہ ۲۳ پر تحریر ہے جناب سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کے علم و فضل اور اہم دینی خدمات کا نقش نہ صرف ہندوستان کے ارباب فضل و کمال کے دل پر تھا بلکہ علمائے عراق و عرب و ایران وغیرہ آپ کی تقدس و تورع۔ علم و فضل زہد و ورع اور کمالات روحانی کا بڑا اثر لئے ہوئے تھے۔ جب جناب سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ بغرض زیارت عتبات عالیات تشریف لے گئے تھے۔ تو تمام علمائے عراق نے نہایت عقیدت کے ساتھ سرکار مرحوم و مغفور کا خیر مقدم کیا۔ مجھے اس حصہ سے بھی فی الجملہ اختلاف ہے۔ علماء عرب سے سرکار اعلی اللہ مقامہ سے کوئی رابطہ نہیں رہا ہے۔ علماء عراق نے خیر مقدم کیا اور کس شان کا کیا یہ بھی سرکار اعلی اللہ مقامہ کی جلالت و قدر ظاہر کرنے کے واسطے کافی نہیں ہو سکتا حضرات علماء کرام نے ورود مسعود کے بعد مختلف صحبتوں میں جو اثر لیا۔ اور جس کا اظہار بھی فرمایا وہ البتہ قابل ذکر چیز ہے۔ علماء ایران کے متعلق میرے پاس کافی خبرہ موجود ہے جو عنقریب علم دوست حضرات کے پیش نظر ہوگا۔ سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کی جلالت قدر جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کی نظر میں کسقدر تھی یہ جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ کی اُن تحریروں سے معلوم ہو سکتا ہے جو سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کو مختلف اوقات میں جناب مفتی صاحب مرحوم نے بھیجی تھیں۔ نجم العلماء کا خطاب بھی جناب مفتی صاحب مرحوم کا عطیہ تھا۔ سرکار نجم العلماء کے چار پوتوں کی طرف اشارہ کر کے مولانا سید محمد محسن صاحب کا نام نہیں لیا گیا۔ غالباً یہ سہو ہوا۔ یہ جناب ابھی تعلیم کی تکمیل کر رہے ہیں اور انشاء اللہ جلد فراغ حاصل کرینگے۔ سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کی یادگار اُن کے یہ چاروں فرزند ہیں اور قدردانان علم دین کا فریضہ ہونا چاہئے کہ وہ سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کی ان یادگاروں کو صحیح معنوں میں یادگار سمجھیں اور لفظ یادگار تشنۂ معنی نہ رہ جائے۔

مجھے اپنے فاضل دوست شمس الواعظین زاد مجدہ العالی سے اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ جناب مولانائے مرحوم

کی کوئی یادگار قائم کی جائے۔ اگر یادگار سے مراد کوئی رسمی یادگار ہے جیسا کہ ہر طرف نظر آ رہا ہے تو یہ بالکل بے معنی چیز ہوگی۔ حقیقتاً سرکار نجم العلماء اپنی یادگار خود چھوڑ گئے ہیں۔ اب قوم کا فرض ہے کہ اس یادگار کو قائم رکھنے کی کوشش کی جائے۔

سرکار نجم العلماء کی یادگار کیا ہے اور کیا ہونا چاہیے یہ ایک سوال ہے جسکا جواب یہ ہے کہ مدرسہ ناظمیہ جو ناظمیہ عربی کالج کے نام سے مشہور ہے۔ اور مختلف علوم میں مہارت رکھنے والے حضرات ہر سال تیار کرتا ہے یہ بھی یادگار ہے۔ اس دار العلوم کی پیداوار کا بہترین مصرف مدرسۃ الواعظین ہے وہ بھی اسی مقدس بزرگ کی یادگار ہے۔ آخر الذکر ادارہ سے متعلق جتنے شعبہ جات ہیں وہ سب کے سب منفرداً اور بحیثیت مجموعی اُسی بزرگ کی یادگار ہیں اگر وہ تمام حضرات جو یادگار قائم کرنا چاہتے ہیں یا اس خیال کی تائید کرتے ہیں آمادہ ہو جائیں تو یہ دونوں ادارے بہترین خدمات انجام دے کر صحیح معنوں میں یادگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ جناب مرحوم کی اولاد جو مدارج علمیہ طے کر چکی ہے اور درجہ اجتہاد پر فائز ہے اُن کو وہ دینی مقامات مل جائیں جن کے وہ اہل ہیں اور یہ بھی یادگار قائم کرنا ہوگا۔ جناب کے وہ صاحبزادے جو ابھی علمی مدارج طے کر رہے ہیں اُن کو کامیابی کی ترغیب کرنے کی کوشش کرنا یہ بھی یادگار قائم کرنے کی تعریف میں آتا ہے۔ میرا مقصد اس مقالہ سے لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا نہیں تھا نہ کسی محترم اخبار یا رسالہ کی تنقید منظور تھی۔ کیونکہ آج تک میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا۔ لیکن درد دل نے مجبور کیا جو یہ چند سطریں لکھ ڈالیں۔ مرادآباد کے اسٹیشن پر گاڑی میں بیٹھا ہوا لکھ رہا ہوں اپنے محترم مخدوم ڈاکٹر سید منور حسین صاحب کو اس مقالہ کے مضمون سے مطلع کیا موصوف نے میرے خیال کی تائید کی۔ اس لیے اس کو شایع کرتا ہوں اور اپنے شفیق دوست حضرت ادیب اعظم و محترم مدیر" سرفراز" سے معذرت خواہ ہوں کہ خدانخواستہ ان کے مقالات پر نکتہ چینی کرنا نہیں تھی بلکہ صرف اس خیال سے کہ سہواً بعض خبریں شایع ہونے سے رہ گئیں اور بعض امور کی تفصیل ضروری تھی یہ مقالہ سپرد قلم کیا ہے امید ہے کہ ہر دو بزرگ مجھے معاف فرمائیں گے۔

خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ سرکار نجم العلماء طاب ثراہ کو جوار حضرات معصومین میں بہترین جگہ عطا فرمائے اور انکی یادگار کو ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین

خاکسار محمد نقا علی حیدری بدایونی ۲۲ راپریل ۱۹۴۱ء

اطلاع جن حضرات کے فوٹو شایع ہو چکے ہیں لیکن سوانح حیات ابھی تک ہمارے دفتر میں نہیں پہونچے ہیں اور شایع نہیں ہو سکے ہیں وہ فوراً توجہ فرمائیں اور جلد سے جلد روانہ فرما دیں۔ جن حضرات کے فوٹو دفتر میں موصول ہو چکے ہیں لیکن شایع نہیں ہوئے ہیں وہ مطمئن رہیں بلاک تیار ہو رہے ہیں عنقریب شایع ہونے والے ہیں۔ (مینیجر)

چہاردہ معصوم

(از پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ام اے)

معصوم کے معنی ہیں "بے گناہ" اور مسلمانوں کے عقیدہ میں تمام فرشتے، تمام پیغمبر، اور تمام بچے معصوم ہیں۔ لیکن چہاردہ معصوم کا فقرہ مدت سے مسلمانوں میں ایک مذہبی اصطلاح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا اطلاق چودہ مخصوص ہستیوں پر ہوتا ہے۔ شیعوں کے نزدیک بالاتفاق یہ چودہ مقدس ہستیاں حضرت محمد صلعم حضرت فاطمہ اور بارہ امام ہیں۔ اہل سنن بھی بالعموم "چہاردہ معصوم" سے یہی حضرات مراد لیتے ہیں لیکن میری طرح بہت سے لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہوں گے کہ تمام اہل سنت اس فقرے کے مفہوم پر متفق نہیں ہیں۔ کچھ دن ہوئے میں اپنے کتابی ذخیرہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس جائزہ کے دوران میں مجھے چار کتابیں ایسی نظر آئیں جن میں چہاردہ معصوم کے نام بھی درج ہیں۔ ان کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس فقرے کا اطلاق مختلف لوگوں نے مختلف ہستیوں پر کیا ہے۔ ذیل میں ان کتابوں کا حال اور اون کی متعلقہ عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:-

۱- فرخ سیر کے عہدِ حکومت میں عبدالوہاب الفتوحی القدوائی۔ المدعو بہ منعم خاں نے سنہ ۱۱۲۶ھ میں خود بادشاہ کی فرمائش سے خاص اسی کے لئے نفائس المطالب نام کی ایک کتاب لکھی جس میں وظیفے، دعائیں روزہ نماز کے ضروری مسائل، رسول، اولاد رسول، خلفاء، اولیاء، اور مجتہدین وغیرہ کے حالات درج کئے۔ اس کتاب کا زیر نظر نسخہ سید غیاث الدین نیشاپوری نے سنہ ۱۱۳۶ھ میں نقل کیا تھا ختم کتاب کے بعد دو صفحوں میں کچھ متفرق باتیں درج ہیں۔ اُن میں اسماء مبارک چہاردہ معصوم بھی ہیں جو درج ذیل ہیں

عبداللہ۔ عبدالطیب۔ ابو القاسم۔ علی اصغر طیب۔ حسن۔ حسین بن زین العابدین۔ عبداللہ بن جعفر ابراہیم۔ جعفر محمد بن تقی۔ موسیٰ بن محمد تقی۔ عبداللہ بن کاظم یحییٰ بن حسن۔ یہ کل تیرہ نام ہوئے ایک نام غالباً کاتب کی غلطی سے چھوٹ گیا ہے۔ یہ کتاب عقائد اہلسنت کے مطابق لکھی گئی ہے بمصنف کتاب کا سنی ہونا ہر مقام سے ظاہر ہے بالخصوص "فصل چہاردہم" سے جو خلفاء راشدین کے بیان میں ہے۔

۲- کسی مذہبی کتاب کے ایک قلمی نسخے کے آخری چند ورق ہیں۔ آخری صفحہ میں چہاردہ معصوم کا ذکر مندرجہ ذیل عبارت میں کیا گیا ہے:-

معصوم اوّل :- محمد اکبر است ابن امیر المومنین علی است علیہ السلام و برادر امام حسنؑ و امام حسینؑ علیہما السلام ولقب او طاہر است و مادر او فاطمہ زہرا است علیہم السلام بضربت شہید شد قبرش در بقیع است۔

معصوم دویم :- عبد اللہ ابن امام حسن است علیہما السلام در ہفت سالگی بدست طلحہ ابن عامر شہید شد قبرش در بقیع است۔

معصوم سوم :- عبد اللہ ابن امام حسین است علیہما السلام در دو سالگی بدست عبد اللہ بن ارزق دمشقی علیہ اللعنہ شہید شد۔ قبرش در کربلا است۔

معصوم چہارم :- قاسم ابن امام حسن در سہ سالگی از تشنگی شہید شد قبرش در کربلا است۔

معصوم پنجم :- حسین بن امام زین العابدین است علیہما السلام در شش سالگی بدست منصور ابن احمد ابن یزید شہید شد۔ قبرش در رے است۔

معصوم ششم :- قاسم ابن زین العابدین است در نہ سالگی بدست عدو بن یزید شہید شد قبرش در بصرہ است۔

معصوم ہفتم :- علی اصغر ابن امام محمد باقر است علیہما السلام در شش سالگی بدست احمد ابن منصور دمشقی شہید شد قبرش در سامرہ است۔

معصوم ہشتم :- عبد اللہ ابن امام جعفر صادق است علیہما السلام در سہ سالگی میان بسطام و دامغان بدست عمران شہید شد قبرش در بسطام است۔

معصوم نہم :- یحییٰ ابن امام جعفر صادق در دو سالگی پیش خلیفہ بدست عبد اللہ ابن محمود کوفی شہید شد قبرش در بغداد است۔

معصوم دہم :- صالح ابن امام موسیٰ کاظم در سہ سالگی بدست یوسف ابن ابراہیم ابن احمد دمشقی شہید شد قبرش در رے است۔

معصوم یازدہم :- طیب ابن امام موسیٰ کاظم است علیہما السلام در ہفت سالگی بدست عثمان دمشقی شہید شد قبرش در شیراز است۔

معصوم دوازدہم :- جعفر ابن امام محمد تقی است قبرش در قم است۔

معصوم سیزدہم :- جعفر بن امام حسن العسکری است در یک سالگی بدست محمد ابن ناصر دمشقی شہید شد قبرش . . . . . . (کتاب میں درج نہیں ہے)

معصوم چہاردہم :- قاسم ابن محمد الہادی است علیہما السلام در سہ سالگی بدست منصور ابن ناصر ابن ابراہیم دمشقی علیہ اللعنہ شہید شد قبرش در جزائر است صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین این روایت از سلطان محسن است۔

اس کتاب کا مصنف بھی مذہب اہل سنت کا پیرو ہے۔ اس نے خلفائے ثلاثہ کی مدح اور "روافض" کی مذمت بڑے شد و مد سے کی ہے۔

۳۳۔ حکیم الملک حکیم محمد اسحٰق خاں نے اپنے بیٹے محمد معصوم کے لئے عربی صرف کی ایک کتاب سنہ جلوس شاہ عالم میں لکھی۔ اس کتاب کے پیش نظر

قلمی نسخے کے آخر میں چند صفحوں میں کچھ متفرق باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں بیان خلافت ہر چہار خلیفہ و بیان اسامی دوازدہ امام و بیان اسامی چہاردہ معصوم بھی ہے۔ آخری عنوان کے تحت میں حسب ذیل عبارت درج ہے:-

اوّل: محمد بن علی مرتضیٰ برادر حسن و حسین رضی اللہ عنہما۔ کہ در سہ سالگی بدست طلحہ بن عبداللہ شہید شد۔ قبرش در بقیع است۔

دوم:- عبداللہ بن امام حسین کہ در دو سالگی بدست عبدالرزاق دمشقی شہید شد۔ قبرش در کربلا است۔

چہارم:- قاسم بن امام حسنؑ کہ در سہ سالگی بضرب سنگ شہید شد بدست امی (؟) ازرق مروانی قبرش در کربلا است

پنجم:- حسن بن امام زین العابدین کہ در شش سالگی بدست منصور بن یزید شہید شد۔ قبرش در رے است

ششم:- قاسم بن امام زین العابدین کہ در سہ سالگی بدست یزید شہید شد۔ قبرش در بصرہ

ہفتم:- علی اصغر ابن امام محمد باقر قبرش در سامرہ

ہشتم:- عبداللہ ابن امام جعفر صادق کہ در پیش حنیفہ بدست عبداللہ کوفی شہید شد قبرش در بغداد است۔

نہم: حسین ابن علی اصغر

دہم: صالح بن محمود بن امام موسیٰ کاظم کہ بدست یوسف بن احمد دمشقی شہید شد قبرے در رے است

یازدہم:- طیب ابن امام موسیٰ کاظم کہ در ہفت سالگی بدست عثمان بن محمد دمشقی شہید شد قبرش در شیراز است۔

دوازدہم:- جعفر بن امام محمد تقی کہ در چہار سالگی بدست یوسف ابن ابراہیم دمشقی شہید شد۔

سیزدہم:- قاسم بن امام محمد تقی کہ در پنج سالگی بدست طلحہ شامی شہید شد قبرش در حلے (؟) است

چہاردہم:- حارس بن امام حسن عسکری کہ در ہفت سالگی بدست پسر راشد بصری شہید شد قبرش در بغداد است۔

کاتب نے پہلے معصوم کے بعد تیسرے معصوم کا نام لکھدیا ہے۔ اس طرح جو عبارت درج کی گئی ہے۔ اُس میں صرف تیرہ معصوموں کا ذکر ہے۔ مندرجہ بالا عبارت کا لکھنے والا بھی مذہب اہل سنت کا پیرو ہے کیونکہ اس نے خلفائے اربعہ کو "ہر چہار خلیفہ برحق رضی اللہ عنہم لکھا ہے۔

۴۔ کعب بن زہیر کے مشہور قصیدے "بانت سعاد" کا فارسی منظوم ترجمہ ایک شاعر نے جسکا تخلص روحی تھا۔ سنہ ۱۱۳۰ھ میں کیا۔ اُس کا جو نسخہ میرے کتب خانے میں ہے۔ اُس کو خود مصنف نے دوسری جمادی الاول سنہ ۱۱۳۹ء کو نقل کیا تھا۔ اس قصیدے کے بعد چند ورقوں میں مختلف مذہبی باتیں درج ہیں۔ ان میں حضرت رسولِ خدا صلعم اور خلفائے اربعہ کے شجرے پنجتن پاک دوازدہ امام، چہاردہ معصوم، چہار یار، عشرہ مبشرہ، چہار امام، پسران و زنان سرورِ کائنات، دختران

فاطمہ، فرقہائے اسلامی، چہار دہ پیر، چہار دہ خانوادہ
وغیرہ کے نام بھی ہیں۔ اسی ضمن میں محرر اوراق نے
حضرت محمد صلعم حضرت علی، حضرت فاطمہ، امام حسن
امام حسین، امام زین العابدین۔ امام محمد باقر، امام
جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی بن موسیٰ رضا امام محمد تقی
امام علی نقی، امام حسن عسکری، امام مہدی کے نام لکھ کر
کے بعد یہ عبارت لکھی ہے:۔

"پنجتن پاک از محمد رسول اللہ و فاطمہ تا امام حسین
دوازدہ امام سوائے محمد رسول اللہ و فاطمہ، چہاردہ
معصوم ہمہ انبیاء"

اس عبارت کا لکھنے والا بھی مذہب اہل سنت
کا پیرو ہے۔ کیونکہ وہ خلفائے ثلاثہ کے نام کے ساتھ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور لکھتا ہے۔ اور شیعوں کو لفظ
رافضی سے یاد کرتا ہے۔

حضرات اہل سنن کی جو چار تحریریں اوپر
نقل کی گئی ہیں اُن میں سے صرف ایک میں چہار
دہ معصوم کا اطلاق انھیں مقدس ہستیوں پر کیا گیا ہے
جن پر شیعہ بالاتفاق اور سنی بالعموم اسکا اطلاق
کرتے ہیں۔ باقی تین تحریروں میں مختلف ذاتیں اس
اصطلاح کا مصداق ٹھہرائی گئی ہیں۔ ذیل میں ان تینوں
تحریروں کے مطابق "چہاردہ معصوم" کے نام
ایک نقشے کی شکل میں پیش کئے گئے ہیں تاکہ اُن
کا باہم مقابلہ کرنا اور اس مقابلہ سے نتیجے نکالنا
آسان ہو۔

مطابق کتاب مذہبی جس کا نام معلوم نہیں (۱)					مطابق کتاب صرف مولفہ حکیم الملوک محمد اسحٰق خاں (۲)					مطابق نفائس المطالب (۳)
شمار	نام معصوم	نام قاتل	عمر	مدفن	شمار	نام معصوم	نام قاتل	عمر	مدفن	نام معصوم
۱	محمد اکبر علی	ضربت	-	بقیع	۱	محمد بن علی طلحہ	طلحہ ابن عبداللہ	۳ سال	بقیع	۔
۲	عبداللہ ابن امام حسن	طلحہ ابن عامر	۷ سال	〃	۲	۔	۔	۔	۔	۔
۳	عبداللہ ابن امام حسین	عبداللہ ابن ازرق دمشقی	۴ سال	کربلا	۳	عبداللہ ابن امام حسین	عبد ازرق دمشقی	۴ سال	کربلا	عبداللہ
۴	قاسم ابن امام حسن	تشنگی	۳ سال	کربلا	۴	قاسم ابن امام حسن	امی ازرق دنی	۳ سال	کربلا	۔
۵	حسین ابن امام زین العابدین	منصور ابن احمد	۶ سال	رے	۵	حسن ابن امام زین العابدین	منصور ابن یزید	۴ سال	رے	حسین ابن زین العابدین
۶	قاسم ابن زین العابدین	عدو ابن یزید	۹ سال	بصرہ	۶	قاسم ابن زین العابدین	یزید	۳ سال	بصرہ	۔

شمار	نام معصوم	نام قاتل	عمر	مدفن	شمار	نام معصوم	نام قاتل	عمر	مدفن	
۷	علی اصغر ابن امام محمد باقر	احمد بن منصور دمشقی	۶ سال	سامرہ	۷	علی اصغر ابن امام محمد باقر	-	-	سامرہ	علی اصغر
۸	عبداللہ ابن امام جعفر صادق	عیرانن	۳ سال	بسطام	۸	عبداللہ ابن امام جعفر صادق	عبداللہ کوفی	-	بغداد	عبداللہ ابن جعفر
						-	-	-	-	
۹	یحییٰ ابن امام جعفر صادق	عبداللہ ابن محمود کوفی	۳ سال	بغداد	۹	حسین بن علی اصغر	-	-	-	یحییٰ ابن حسن
۱۰	صالح ابن امام موسیٰ کاظم	یوسف ابن ابراہیم دمشقی	۳ سال	رے	۱۰	صالح ابن محمود ابن امام موسیٰ کاظم	یوسف ابن احمد دمشقی	-	رے	عبداللہ ابن کاظم
۱۱	طیب ابن امام موسیٰ کاظم	عثمان دمشقی	۷ سال	شیراز	۱۱	طیب ابن امام موسیٰ کاظم	عثمان ابن محمد دمشقی	۷ سال	شیراز	طیب
۱۲	جعفر ابن امام محمد تقی	-	-	قم	۱۲	جعفر ابن امام محمد تقی	یوسف ابراہیم دمشقی	۴ سال	-	جعفر ابن محمد تقی
۱۳	جعفر ابن امام حسن عسکری	محمد بن ناصر دمشقی	۱ سال	-	۱۳	قاسم ابن امام محمد تقی	ہلو شامی	۵ سال	ہلے ؟	موسیٰ ابن محمد تقی
۱۴	قاسم ابن محمد الہادی	منصور ابن ناطرالدین ابراہیم دمشقی	۳ سال	جزائر	۱۴	حارث ابن امام حسن عسکری	لیسر راشد بصری	۷ سال	بغداد	.
										عبدالطیب ۔ ابوالقاسم
									.	حسن ۔ ابراہیم

اس نقشہ پر نظر کرنے سے اتنی باتیں ظاہر ہوتی ہیں
۱۔ پہلے۔ تیسرے، چھٹے۔ ساتویں، آٹھویں، گیارہویں اور بارھویں ان سات معصوموں کی ذات پر ۱ اور ۲ کا اتفاق ہے۔ چوتھے اور دسویں معصوم کے نام دونوں نے ایک ہی بتائے ہیں۔ مگر ولدیت میں تھوڑا سا اختلاف کیا ہے۔ پانچویں معصوم کی ولدیت دونوں نے ایک ہی لکھی ہے۔ مگر نام میں ذرا سا اختلاف ہے ۱ کے تیرھویں اور چودھویں معصوم کا مقابلہ ۲ کے تیرھویں اور چودھویں معصوم سے کریں تو ظاہر ہو گا کہ ایک جگہ نام میں اختلاف مگر ولدیت

مگر ولدیت پر اتفاق اور دوسری جگہ نام پر اتفاق اور ولدیت میں اختلاف ہے۔ ع۲ کے مطابق دوسرے معصوم کا نام کاتب کے سہو سے معلوم نہیں ہو سکا۔ بہت ممکن ہے کہ اس پر بھی دونوں متفق ہوں۔ اس طرح تیرہ معصوموں پر یہ دونوں قریب قریب متفق ہیں۔ صرف نویں معصوم کے متعلق ان میں بالکل اختلاف ہے۔ کہ ایک نے ان کا نام "یحییٰ ابن امام جعفر صادق" اور دوسرے نے حسین ابن علی اصغر لکھا ہے۔ اس کے علاوہ ان معصوموں کے جو مختصر حالات ان دونوں نے لکھے ہیں ان میں بھی کہیں کہیں اختلاف ہے۔

۲۔ ع۳ نے سات معصوموں کے صرف نام لکھے ہیں۔ چھ کی ولدیت بھی بتائی ہے، مگر کسی کا کچھ حال نہیں لکھا ہے۔ ایک کاتب کا نام سہو کاتب کی نذر ہوگیا۔ یہ پانچ ناموں میں ع۱ و ع۲ دونوں سے متفق ہے۔ ایک میں ع۱ سے بالکل متفق ہے اور ع۲ سے ذرا سا اختلاف رکھتا ہے۔

ایک معصوم کا نام وہی بتاتا ہے جو ع۱ نے بتایا ہے، مگر ولدیت میں اختلاف ہے۔ یہ وہی نام ہے جس پر ع۱ و ع۲ میں کلی اختلاف ہے۔ ایک معصوم کی ولدیت میں ع۱ سے اور ایک کی ولدیت میں ع۲ سے متفق ہے۔ مگر ناموں میں دونوں سے اختلاف کرتا ہے چار نام بالکل نئے لکھے ہیں۔

۳۔ ہر معصوم آئمہ اثنا عشر میں سے کسی امام کا بیٹا ہے۔

۴۔ کسی معصوم کا سن نو برس سے زیادہ نہیں ہے

۵۔ کسی معصوم نے اپنی طبعی موت سے انتقال نہیں کیا ہے۔

ان سب باتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض علماء اہل سنت کے نزدیک لفظ معصوم کا اطلاق ایک اصطلاح کی حیثیت سے بارہ اماموں کے ان بچوں پر ہوتا ہے جو بچپن میں شہید ہوگئے۔ ان کے ناموں اور حالات میں مصنفین نے اختلاف کیا ہے لیکن ان کی تعداد سب کے نزدیک چودہ ہے۔

امیر المومنین علی ابن ابیطالب

بنا بر تحقیق علامہ ابن حجر ہیثمی مکیؒ (متبسا) خلاصہ ترجمہ صواعق محرقہ

(از افادات عالیہ حضرت علامہ سید محمد مجتبیٰ صاحب قبلہ مجتہد دام ظلہ العالی)

ماثر و فضائل و مناقب آل محمد صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم اجمعین کا سلسلہ اسلامی دنیا میں شائع

کرنے کے لئے شروع کیا جاتا ہے۔ دُعا ہے کہ خداوند عالم اسے اتمام تک پہونچائے اہل اسلام و ایمان کے لئے مفید و سود مند قرار دے۔ اور اس حقیر کے لئے ذریعہ تقرب و ثواب دارین آمین بحق محمدؐ و آلہ الطاہرین۔ اُمید کی جاتی ہے کہ ناظرین کرام اس کو نگاہِ انصاف و تعمق سے ملاحظہ فرمائیں گے ساتھ ہی اس امر کا اظہار بھی مناسب ہے کہ یہ پورا سلسلہ ماخوذ ہے علامہ ابن حجر مکی کی تحقیقات سے جس میں اپنی طرف سے کسی مقام پر ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ جابجا ضروری خلاصہ کر دیا گیا ہے علی الخصوص وہ مقامات حذف کر دیئے گئے ہیں جہاں نگاہِ حق بین کے نزدیک صاحب صواعق نے شان اہل بیت میں صریحی تعصب اور کجروی اور جارحانہ انداز سے کام لیا ہے۔ ورنہ پھر مجیبانہ پہلوؤں پر اصل مقصد کو قربان کر دینا پڑتا۔ ابتدا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے مقدس و مبارک حالات سے کیجاتی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی الاعلیٰ

حضرت علی کا اسلام لانا اور ہجرت وغیرہ

آں حضرت دس سال کی عمر میں ایمان لائے بلکہ بعض روایات میں آٹھ سال اور بعض میں نو سال اور بعض میں اس سے بھی کم وارد ہیں آپ سب سے پہلے اسلام لائے اور بعض علماء نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے۔ ابو الیعلیٰ نے خود آں حضرت سے نقل کیا ہے کہ جناب رسالت مآب دوشنبہ کو مبعوث برسالت ہوئے اور میں سہ شنبہ کو اسلام لایا۔ آپ نے بت پرستی بالکل نہیں کی اور اسی لئے آپ کی شان میں کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے آپ نے صدیق کا لقب پایا۔ آپ عشرہ مبشرہ کی ایک فرد رسول کے بھائی اور داماد سابق الاسلام عالم ربانی نامی بہادر مشہور زاہد اور معروف خطیب تھے جن لوگوں نے قرآن جمع کیا اُن میں ایک آپ بھی ہیں آپ نے قرآن جمع کر کے رسول اللہ کو دکھایا اور ابو الاسود دوئلی، ابوعبدالرحمٰن سلمی۔ اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے آپ کو دکھایا جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کو مکہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ تاکہ وہ امانتیں اور ودیعتیں پہونچا دیں اور وہ وصیتیں پوری کریں جو آں حضرت سے متعلق تھیں۔ اور پھر آپ کے اہل کو لے کر خود بھی آپ کے پاس پہنچ جائیں۔ چنانچہ حضرت علی نے یہ تمام خدمات انجام دیں آپ جناب رسالت مآب کے ساتھ سوائے غزوۂ تبوک کے تمام غزوات میں حاضر رہے تبوک جاتے ہوئے حضرت علی نے آپ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا۔ اور آپ کی شان میں انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ فرمایا۔ یعنی اے علی تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی آپ نے تمام معرکوں میں وہ کار ہائے نمایاں کئے جو آج تک مشہور ہیں۔ حضرت نے آپ کو بہت سے مقامات پر خصوصاً خیبر میں علمدار بنایا اور خبر دی کہ

خیبر علی ہی کے ہاتھ سے فتح ہوگا جیسا کہ صحیحین میں ہے
اُس دن آپ نے باب خیبر کو اپنی پشت پر لیکر اور
تمام مسلمانوں کو اُس پر سوار کر کے پار کر دیا۔ اور بعد
میں اس کو چالیس مردوں سے کم حرکت نہ دے سکے
اور ایک روایت میں ہے کہ باب خیبر کو آپ نے سپر
بنا لیا۔ اور لڑتے رہے یہاں تک کہ خیبر کو فتح کیا اور پھر
دروازہ ہاتھ سے ڈالدیا تو آٹھ آدمی بھی اُسے نہ اُٹھا
سکے تھے۔

آپ کے فضائل

آپ کے فضائل کثیر عظیم الشان اور مشہور ہیں
احمد نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ اتنے فضائل
سوائے آپ کے کسی کے لئے وارد ہی نہیں ہوئے
اور اسمٰعیل قاضی نسائی اور ابو علی نیشاپوری کا قول ہے کہ
حسن سندوں کے ساتھ جتنے فضائل آپ کے وارد ہوئے
اتنے اور کسی صحابی کے نہیں۔ اور ذریت رسول میں سے
بعض متاخرین (یعنی آپ کے بعد آئمہ اہل بیت میں کے
بعض حضرات) نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ کے بعد حضرت
علی کو جن مصائب و شدائد کا سامنا ہونے والا تھا اور
امر خلافت کے آپ کے رجوع کرنے کے بعد آپ کی
نسبت جو اختلافات رونما ہونے والے تھے ان کی
خبر خداوند عالم نے اپنے نبی کو دے دی تھی۔ اسلئے
جناب رسالت مآب نے آپ کے فضائل مشہور فرما کر
امت کو نصیحت فرمائی تاکہ جس شخص تک آپ کے
فضائل پہونچیں وہ ان مصائب و اختلافات میں دست
اندازی سے نجات پا سکے پھر جب وہ وقت آیا تو جن
اصحاب نے آپ کے فضائل سنے تھے انھوں نے بھی
امت کو وعظ و نصیحت کرنے کے لئے ان کو مشتہر
کیا اور جب زمانہ زیادہ بڑھا بنی امیہ کا ایک گروہ بھی
آپ کی تنقیص اور برسر ممبر آپ پر لعن اور تبرا کرنے
لگا۔ خوارج لعنہم اللہ بھی اس گروہ کے ہمنوا ہو گئے
تب آپ کا ذکر کہنے لگے تو اہل سنت میں سے بڑے
بڑے جلیل القدر حفاظ قرآن آپ کے فضائل بیان
کرنے میں مصروف ہو گئے اور انھوں نے خوب امت
کو نصیحت کی اور حق کی نصرت کی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ آئندہ فضائل اہل بیت کے
سلسلہ میں بھی آپ کے فضائل کی بہت سی حدیثیں
آئیں گی اور فضائل حضرت ابو بکر کی احادیث میں
آپ کے فضائل کا کچھ حصہ گذر چکا ہے۔ اس تمام مواد و
ذخیرہ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یہاں پر ہم اس کے علاوہ
چالیس ایسی حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں جو آپ کے روشن
اور شاندار فضائل پیش کرتے ہیں

بخاری، مسلم، احمد، بزار اور طبرانی نے متعدد جلیل القدر
اصحاب و صحابیات سے نقل کیا ہے کہ جناب رسالتمآب نے
جنگ تبوک پر جاتے ہوئے حضرت علی کو اپنا جانشین بنا کر
چھوڑا تو آپ نے عرض کیا کہ یا حضرت کیا آپ مجھ کو عورتوں
اور بچوں پر خلیفہ بناتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس
امر کو پسند نہیں کرتے کہ تمہیں مجھ سے وہی منزلت ہو
جو ہارون سے موسیٰ کو تھی۔ بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی
نہ ہوگا۔

(۲) بخاری، مسلم، طبرانی، اور بزار نے متعدد جلیل القدر اصحاب سے نقل کیا ہے کہ روز خیبر جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دونگا جس کے ہاتھ پر خداوند عالم فتح عنایت فرمائیگا۔ وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہو۔ اور خدا و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔ رات لوگوں نے بڑے غور و فکر میں گذاری یہی چرچے رہے کہ دیکھئے حضرت کس کو علم عنایت فرماتے ہیں۔ صبح ہوئی تو سب علم کی تمنا میں حضرت کے پاس آئے آپ نے فرمایا علی کہاں ہیں لوگوں نے کہا وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔ آپ نے حضرت علی کو بلوایا اور آپ کی آنکھ میں لعاب دہن لگایا۔ اور دعا کی اور آپ کو فوراً اس طرح شفا ہوگئی۔ کہ گویا آپ کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں اور پھر آپ کو علم عطا فرمایا۔ ترمذی نے حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ عورتوں میں رسول کو سیدہ عالم سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ اور مردوں میں سب سے زیادہ محبوب ان کے شوہر علی تھے۔

(۳) مسلم نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ جب آیہ مباہلہ ندع ابنائنا و ابنائکم نازل ہوئی تو جناب رسالت مآب نے حضرت علی فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کو بلایا اور فرمایا کہ خداوندا یہ میرے اہل ہیں۔

(۴) روز غدیر خم جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کے علی بھی مولا ہیں الی آخر الحدیث۔ اس حدیث کو جناب رسالت مآب سے تین صحابیوں نے نقل کیا ہے۔ اور اس کی نقل کے طریقے اکثر و بیشتر صحیح یا حسن ہیں بیہقی نے روایت کی ہے کہ حضرت علی دور سے ظاہر ہوئے تو جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ یہ سید العرب ہیں حضرت عائشہ نے کہا کہ کیا آپ سید العرب نہیں ہیں تو فرمایا کہ میں سید العالمین ہوں اور یہ سید العرب ہیں۔ اور اسی کو حاکم نے اپنی کتاب میں ابن عباس سے اسطرح نقل کیا ہے کہ میں سید اولاد آدم ہوں۔ اور حضرت علی سید العرب ہیں۔

(۵) ترمذی اور حاکم نے بریدہ سے نقل کیا ہے کہ جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ خدا نے مجھے چار شخصوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ خود بھی ان کو محبوب رکھتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یا حضرت وہ کون کون ہیں۔ فرمایا ایک تو ان میں سے علی ہیں۔ اور یہ جملہ آپ نے تین دفعہ فرمایا اور پھر ارشاد ہوا کہ ابو ذر۔ مقداد اور سلمان

(۶) احمد ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے حبشی بن جنادہ سے نقل کیا ہے کہ:۔
جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور اپنے فریضہ کو یا تو میں خود بجا لا سکتا ہوں یا علی

(باقی آئندہ)

اپیل قیام یادگار علیا حضرت مادر دکن مرحومہ و مغفورہ

منجانب

(سید سراج الحسن بیرسٹر ایٹ لا)

علیا حضرت مادر دکن مرحومہ و مغفورہ کے وفات حسرت آیات سے ممالک محروسہ سرکار عالی پر اندوہ و غم کی گھٹا ایک سرے سے دوسرے سرے تک چھا گئی۔ جس نے گھر گھر صف ماتم بچھوا کر ہر کہہ و مہ کو سوگوار بنا دیا۔ جسکا اظہار ہر مقام پر انعقاد مجالس تعزیت اور ان میں قرار داد ہائے تعزیت سے ہوا۔

ممالک محروسہ سرکار عالی میں شاہ اور خانوادہ شاہی اور رعایا و برایا کے تعلقات باہمی خصوصیات خاصہ رکھنے والے قدیم ایام سے چلی آرہی ہیں یہ نتیجہ لازمی اور فطری اس مساویانہ ہمدردانہ، بلکہ پدرانہ روایاتی طرز حکمرانی کا ہے جو دولت آصفیہ کے وجود میں آنے کے وقت سے اب تک بلا شمہ بھر فرق کے چلی آرہی ہیں جس نے دولت آصفیہ کی حیثیت ایک خوشگوار تعلقات رکھنے والے خاندان کی بنا دی۔ جس میں والیٔ ریاست کا رتبہ پدرانہ اور رعایا و برایا کا درجہ بہ تعلق والیٔ ریاست پسرانہ اور بہ تعلق باہمی برادرانہ اور انھیں تعلقات کے لحاظ سے ہر ایک کا باہمی عمل ہوتا ہے۔ ایسے پُر خلوص قرابتدارانہ تعلقات روحانی کا یہ اثر مترتب ہوا کہ ایک جانب تو مختلف اقوام و مذاہب کے افراد منفرداً و مجتمعاً اپنی تہ از پدر مالک اور خانوادہ شاہی سے خوش عقیدگی اور جذبات و فاشعاری جاں نثاری بدرجہ اتم رکھنے اور دوسری جانب رعایا و برایا بلا امتیاز قوم و ملت ایک دوسرے کے ساتھ رشتۂ برادرانہ میں منسلک ہوکر برادرانہ طرز عمل اختیار کرنے کے خوگر ہوگئے جہاں ایسی صورت حال ہو وہاں مادر دکن مرحومہ و مغفورہ کا اصلی ماں کی طرح سے گھر گھر ماتم کیوں نہ ہو یہ لازمہ اس فطری جذبہ کا ہے جو افراد خاندان پر ایسی بابرکت ہستی کے سایہ کے اُٹھ جانے سے طاری ہوتا ہے جس کے روحانی فیوض سے وہ ہر آن مستفیض ہوتے رہتے تھے۔

باب حکومت سرکار عالی نے دو لاکھ روپے سے ایک تعلیمی فنڈ موسومہ "مادر دکن تعلیمی فنڈ" قائم کرکے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیا۔

لحاظ اُن تعلقات کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ممالک محروسہ سرکار عالی کے باشندوں کا صرف اخلاقی ہی نہیں بلکہ مذہبی فرض ہے کہ وہ مادر دکن مرحومہ و مغفورہ کی کوئی ایسی یادگار قائم کریں۔ جو

اُن کی یادگار کا کام بھی دے اور ملک کی ایک اہم ضرورت
کو بھی پورا کرنے کے ساتھ موجودہ اور آئندہ نسلیں
اس کے فیض سے مستفیض ہوتی رہیں اس قسم کی
یادگار کا ایک خاکہ اہل ملک کے سامنے پیش کرکے
اُمید کرتا ہوں کہ جس خلوص اور خوش عقیدگی سے
اس جانگاہ سانحہ پر انھوں نے شاہ اور خانوادۂ شاہی
سے اپنی یکجہتی و فاشعاری اور غمگساری کا ثبوت دیا ہے
اُسی خلوص و خوش عقیدگی سے پیش کردہ تحریک کو
بھی عملی جامہ پہنا کر اپنی فرض شناسی کا ثبوت دینگے
تمام دنیا کے دوراندیش اور صاحب رائے
حضرات اس امر پر متفق سے معلوم ہوتے ہیں کہ جس
طرز کی تعلیم و تربیت فی زمانہ طبقۂ اناث کو دیجاتی
ہے۔ وہ نہ تو اُن کی ذات کے لئے اور نہ ملک کیلئے
مفید ہے۔ موجودہ طرز تعلیم نسواں سے جو نتائج برآمد
ہوتے ہیں اُن سے اُن کی رائے کی پوری پوری
تائید ہوتی ہے صحیح معنی میں مقاصد تعلیم نسواں مختصراً یہ
ہوسکتے ہیں کہ اُسے عورات اخلاق حسنہ سے مزین ...
حق و باطل میں امتیاز کرنے کی صلاحیت پیدا کرکے
سکون قلبی حاصل کرسکیں اور اپنے فرائض بحیثیت گھر
عورات اور ہمدرد و غمگسار بیبیوں اور جہیتی ماؤں کے
انجام دے سکنے کے ساتھ خداشناسی، خداپرستی،
خداترسی۔ اور دیگر خصائل حسنہ سے متصف ہوسکیں
یہ ظاہر ہے کہ جس طرز کی تعلیم و تربیت سے مقاصد
بالا پورے ہوسکتے ہیں نہ ہی اغراض تعلیم نسواں پوری
کرنے اور عورات کو خصائل مندرجہ بالا سے متصف
کرنے کی موجب ہوسکتی ہیں۔ مگر موجودہ طرز تعلیم نسواں
سے مقاصد مندرجہ بالا بالکل پورے نہیں ہوتے، بلکہ
اس کے برعکس نتائج برآمد ہوتے ہیں جسے ہر ذی ہوش
اچھی طرح واقف ہے اسلئے ان کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں
ہر ملک کا تمدن اور اس کے باشندوں کے اخلاق
و عادات و اطوار و رسم و رواج اور روایات مختلف ہونے
کی وجہ سے ہر ملک کی طرز تعلیم کا بھی جدا جدا ہونا لازمی ہے
چنانچہ اسی وجہ سے ممالک یورپ میں ہر ایک ملک کا
طرز تعلیم جداگانہ ہے۔ ہندوستان میں اس وقت
عورات کی تعلیم و تربیت کے لئے جتنی تعلیم گاہیں ہیں
وہ انگلستان کی زنانہ تعلیم گاہوں کے نمونہ کی ہیں جس
میں عورات کو تعلیم و تربیت انگریزی اخلاق اور
روایات کے لحاظ سے دیجاتی ہے جو ہندوستانی
اخلاق اور روایات کے بالکل مغایر ہے۔ پس ظاہر ہے
کہ اسی طرز کی تعلیم ہندوستانی عورات کے لئے نہ تو موزوں
برمحل اور نہ وہ ان کی ذات اور ملک کے لئے مفید
اور بکارآمد ہوسکتی ہے۔ ممالک محروسہ سرکار عالی
میں طبقۂ اناث کی تعلیم و تربیت کی جتنی تعلیم گاہیں
ہیں وہ بھی تاسیا انگریزی زنانی تعلیم گاہوں کے
نمونہ کی ہیں۔ اس لئے وہ بھی بہ لحاظ امور مندرجہ بالا
ممالک محروسہ سرکار عالی کے لئے غیر موزوں ہیں۔ طبقۂ
اناث کے طرز تعلیم میں یہ ایک ایسی اہم خامی ہے کہ
جس کی جانب محکمۂ تعلیمات سرکار عالی اور ارباب حل
وعقد کو جلد سے جلد توجہ کرنی ضروری ہے۔ اندریں
حالات میں ممالک محروسہ سرکار عالی کے باشندوں کی

پرزور اپیل کرتا ہوں کہ علیا حضرت مادر دکن مرحومہ و مغفورہ کی یادگار میں ایسی زنانی تعلیم گاہیں قائم کریں اور ان کو موسوم بہ "یادگار مادر دکن" کریں جس میں حیدرآباد کی تمدن اخلاق عادات اطوار رسم و رواج اور روایات قدیمہ کے لحاظ سے طبقہ اناث کو تعلیم و تربیت دیجائے اور انکا نصاب تعلیم اس خوش اسلوبی سے مقرر کیا جائے کہ ایسی تعلیم گاہوں کی تعلیم یافتہ عورات کا ان اوصاف سے متصف ہونا لازم سا ہو جائے جو آیت اور مقاصد تعلیم نسواں مقرر کئے جائیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ ایسی زنانی تعلیم گاہیں ایک جانب تو علیا حضرت مادر دکن مرحومہ مغفورہ کی زندہ جاوید یادگار کا کام دے سکیں گی۔ اور دوسری جانب موجودہ طرز تعلیم نسواں کے نقائص کی اصلاح کا باعث ہو سکیں گی۔

سلام

نواب محمد معین خاں صاحب بہادر نعیم حیدرآباد دکن

علی کو شہر علم مصطفےٰ کا در سمجھتے ہیں
حسین ابن علی کو دین کا رہبر سمجھتے ہیں

رگ جاں کا پیام عیش کو نشتر سمجھتے ہیں
ہم آل مصطفےٰ کے غم کو جاں پرور سمجھتے ہیں

جنھوں نے جان و مال اپنا لٹایا راہ خالق میں
سخاوت کسکو کہتے ہیں وہی بہتر سمجھتے ہیں

جناں کا ذکر واعظ ان سے جو مست محبت ہیں
ولائے آل کو ہم بادۂ کوثر سمجھتے ہیں

انھیں کیا واسطہ دوزخ سے جو ایمان والے ہیں
غلامان علی جنت کو اپنا گھر سمجھتے ہیں

امام دیں کے غم میں مومنوں کی چشم گریاں سے
نکلتے ہیں جو آنسو ہم انھیں گوہر سمجھتے ہیں

حقیقت میں وہی کچھ مرتبہ شبیر کا سمجھے
جو شاہ کربلا کو جان پیغمبر سمجھتے ہیں

مشابہ ہیں پدر سے اسقدر ماہ بنی ہاشم
کہ سارے کوفی و شامی انھیں حیدر سمجھتے ہیں

نصیری ہم نہیں ہیں مرتضیٰ کو جو خدا سمجھیں
مگر ان کو خدا کی شان کا مظہر سمجھتے ہیں

نعیم خوش بیاں کیوں کر غم شبیر کو بھولیں
اسے وجہ سکون خاطر مضطر سمجھتے ہیں

درسِ عبرت

(از سید شہنشاہ حسین صاحب ضیا آبادی حیدرآباد دکن)

کربلا کا حادثہ وہ عظیم الشان واقعہ ہے جو ہمیشہ دنیا کیلئے حق و انصاف کی حمایت کا یادگار درس ہے۔ جو دریائے فرات کے ساحل پر حق کی حمایت میں رونما ہوا تھا ظالم اور بدکردار یزید کے کردار نا سزا سے تشدد کی آگ پھیل رہی تھی تعلیم رسول خطرناک ہاتھوں سے تباہ اور برباد ہو رہی تھی۔ محمد کے تاج و تخت کے وارث وہ نا اہل بن بیٹھے تھے جن کے اجداد محمد کے قتل کی کوشش کرتے تھے۔ اور جن کے ہاتھوں نبیؐ نے احد میں زخم کھا کر اسلام کی حفاظت کی تھی۔ ابوسفیان یزید کے دادا رسول کے قتل کے لئے پیش پیش تھے۔ اور یزید کی دادی وہ ہستی تھی جس نے امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ بنی امیہ رسول اللہ اور ان کے پاک خاندان کے بہت ہی پرانے دشمن تھے۔ رسول کا کفن بھی میلا نہ ہونے پایا کہ پرچم اسلام کو برباد کرنے کے لئے بنی امیہ کھڑے ہوگئے۔ اسلام جبر و استبداد کے ان دیوتاؤں کے آہنی شکنجوں سے مٹ رہا تھا۔ اس شیطانی گروہ نے برباد کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اسلام کے چہرے پر یزیدیت منڈلا رہی تھی۔ یزیدی جذبات کے راستہ کا مقصد صرف محمد کے قائم کئے ہوئے راستہ کو برباد کرنا تھا۔ بنی امیہ کی انسانی تہذیب اُن کی نفسی خواہشوں سے برباد ہو چکی تھی۔ اس اقتدار کی خود غرضی سے یزید اپنے اجداد کے حقیقی مقصدوں کی سرپرستی کر رہا تھا۔ محمدؐ کے اصولوں کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس کا لہجہ بہت سخت اور اپنی خاص سازش اور بغاوت میں مشغول اپنی ڈفلی پر اپنا راگ بجا رہا تھا۔ یہ ذلیل انسان پہلو بہ پہلو اپنے مطلب کے سوائے اور کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کی بداعمالیوں سے اسلام پر مصیبت آئی یہ حق سے بے پرواہ ہو چکا تھا۔ رسالت کی عظمت کو اپنے ہاتھوں رسوا کر رہا تھا۔ کاش وہ توحید کو سوچتا اور رسالت کو سمجھتا۔ اس شام کے باغی نے سر نکالا اور رحمۃ للعالمین کے لگائے ہوئے چمن کو خونی نظروں سے دیکھا جس کے پیش نظر صرف یہ تھا کہ لوگ آل رسول کی شدت سے مذمت کریں۔ اس نے تنکوں کی طرح شیرازۂ اسلام کو بکھیر دیا۔ اُس کی اس معاندت سے رسالت کا خون ہو رہا تھا۔ کشتی اسلام حوادث کے منجدھار میں ڈگمگا رہی تھی۔ اس تیز و تند سیلاب کا چکر شب و روز بڑی بے پروائی سے بڑھ رہا تھا۔ یزید اور اس کے بہی خواہوں کو کچھ احساس نہ تھا اور اسلام

کو روز بروز اتنا کمزور کیا جا رہا تھا کہ اس کے تصور
سے لوگ ڈرنے لگے تھے۔ یزیدی اغراض نے اپنی
خاص رفتار کی باگیں اسقدر ڈھیلی چھوڑ دی تھیں
کہ یہ سیاہ قلب گروہ اصول رسالت کے مٹانے
میں زبردست رفتار سے مشغول ہو گیا تھا اسلام کا
ظاہری لباس پہن کر تنگ نظری کا اسقدر لاپروا ہو کر
اظہار کیا کہ انھوں نے اپنے ظالم طرز عمل میں کوئی بھی
خامی نہیں چھوڑی۔ ان کے ہاتھوں اسلام کی
صورت خوفناک نظر آ رہی تھی۔ اپنے غلط فیصلوں اور
طریقوں و مظالم کی سختیوں سے حد درجہ اصول اسلام
کو خراب کر دیا تھا۔ خود اسلام کو بے اعتمادی کی نظر
سے دیکھ رہے تھے۔ یہ تمام حرکتیں کسی حالت میں
بھی اسلام کے لئے مفید نہ تھیں اس گمراہی سے دین
کی بنیادیں کمزور ہو رہی تھیں اس کے وجود پر یزید
کی بزدلی کے داغوں کی خاص طریقے سے بغیر استدلال
تلقین ہو رہی تھی جس سے تزلزل پیدا ہو رہا تھا
خصومت کی آگ شام کے قصر میں شدت کے ساتھ
بھڑک رہی تھی جس نے دنیا کو محمدؐ کے قائم کئے ہوئے
دین سے متنفر کر دیا تھا سلطنت کے اس خمار نے پامالی
کی ٹھان لی۔ یزیدی محاذ میں شام والوں نے ضم ہو کر
حسین سے بے اعتمادی کا عہد کر لیا۔ حقیقت رسالت
اور توحید کے اصولوں پر ان سنگدلوں نے پردہ ڈال
دیا تھا۔ بغاوت کی آگ پھیل چکی تھی۔ حق و انصاف کا
سیدھا راستہ ان عامی انسانوں کو نظر نہ آتا تھا یہ تمام
حقیقت ناآشنا جماعت یزید کے اکھاڑے میں جمع تھی

اور ان کو ابھی تک یہ عادت تھی کہ اسلامی زندگی کے
حقایق سے آزاد ہو کر جذبہ رقابت کا ذہنی انقلاب پھر
انجام دیں۔ جو یزید کے خاص احساسات کا اثر الغرض یعنی
تھا حق اور انصاف کی طرف سے آنکھیں بند کر کے
قوت کے زور میں خونی نگاہوں نے اپنے دہشت انگیز
مقصدوں کے لئے یہ فرض کر لیا تھا کہ محمدؐ کے نواسے
حسینؑ کی بزور مذمت کریں۔ یزید کا فرمان قتل حسینؑ
ایک ضرب شدید تھا جس نے مدینہ میں تزلزل پیدا کر دیا
تھا۔ جان رسول مصلح عالم حسینؑ نے حاکم مدینہ سے پیام
یزید سنکر عزم و استقلال کے ساتھ منزل مقصود کا راستہ
اختیار کیا۔ اور حرمت مدینہ اور کعبہ کو یزید کے قاتلانہ
حملہ کی کشمکش سے بچایا۔ یزید کی دیوانگی کے وحشتناک
مظاہرے کے لئے ابن زیاد اپنی حرکتوں سے تشدد اور
وحشیانہ حملوں کے لئے ایسے خاص خاص اشخاص فوج
کے سرداری کے لئے چن چن کر نینوا میں جمع کر رہا تھا جو
انتظامی جذبات کا اپنے حلقوں میں پوری طاقت سے
مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس کثیر طاقتور جماعت کا لہجہ بہت
سخت اور اپنی رفتار میں سخت غفلت برت رہا تھا۔
ان ذلیل انسانوں کو خود غرضی کے لالچ نے دنیاوی جاہ
اور امارت کی تمناؤں نے خوب لبھایا تھا۔ غول کے غول
پرا جائے چپے چپے پر تلواریں سنبھال کر یزیدیت کا راگ
الاپ رہے تھے۔ یہ تیز و تند لوگ شب و روز صحرائے کربلا
میں فاطمہ کے لال کا خون بہانے کے لئے جمع ہو رہے
تھے۔ یہ سنگدل رسول کے نواسہ سے سیدھی بات
کرنا گوارا نہ کرتے تھے۔ ابن سعد کی سرداری میں فخر کرتے

تھے۔ بنی امیہ کی بے بنیاد عمارت خونِ حسین سے تیار کرنے کو اپنا منصبی مسلک جانتے تھے۔ انھوں نے یزید کے حکم سے نینوا کے صحرا میں خونی جذبات کا انقلاب شرارت سے پھیلایا۔ افسوس ناک تشدد کے ساتھ یزیدیوں نے پیش قدمی کی جو ہر انسانیت حسین نے خاص شان سے وقار مذہب کی محبت میں عزم و استقلال کے ساتھ سچائی و انصاف تسلیم و رضا اور اخلاق و تہذیب کا سبق نمایاں طور پر پیش کیا۔ خاک کربلا پر حق و انصاف کے سچے راستے۔ انسانی حقوق اور اعمالِ حسنہ کا اظہار جس بلند تدبر والی شخصیت نے دیا وہ محمد کا پیارا نواسہ حسینؑ تھا۔ حقیقت میں یہ نفس امامت ہی کا کام تھا جو اسلام کو یزید کی گمراہانہ ذہنیت سے بچانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا جسکو یزید منہدم کر دینا چاہتا تھا۔ عاشورہ کے دن میدانِ عمل میں معزز رفیق اخوت و تنظیم کی ایمان میں جان ڈال رہے تھے۔ اسلام کا حقیقی رہنما ایمان کی قوت محمدؐ کے صفات کا اعلان کر رہے تھے

حسین نے سچائی کی محبت اور اصول اسلام کی آزادی کو اعلیٰ بلندیوں پر پہونچا دیا۔ حسینؑ عمر ابن سعد کے تیروں سے متاثر نہیں ہوتے، کربلا کی جلتی زمین پر حق کے راستہ میں عاشورہ کی دوپہر تک مجاہدِ اعظم کے عزیز و اقارب و انصار کی جلیل القدر قربانیاں عظیم الشان درس عبرت دے گئیں کربلا کی گرم ریت پر اپنے خون سے اسلام کو ابھار دیا۔ حسین اپنے چھ ماہ کے چاند کو ہاتھوں پر بلند کر کے ابدی اور غیر فانی درس عبرت دے رہے تھے۔ جس کی مثال کرۂ ارض پر نہیں مل سکتی۔

فرزند فاطمہؑ کے اس مفید عمل پر نظر ڈالو جو محمدؐ کے پاک مقصدوں کے لئے ذبح ہو گئے مسلمانوں ذرا اس قربانی کا سچے دل سے حقیقت کی نگاہوں سے مطالعہ کرو جو فرات کے ساحل پر ۶۱ھ میں نمایاں تھا۔

خادم قوم
سید شہنشاہ حسین اٹاوی حیدرآباد دکن

تذکرۃ المشاہیر

(آغا صاحب کا عکس نمبر خصوصی میں شائع ہوگا)

آغا جعفر حسین بی اے ایل ایل بی وکیل ہائی کورٹ حیدرآباد

آپکے والد جناب آغا محمد حسین صاحب لکھنؤ کے ایک بہت معزز خاندان کے فرد ہیں تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہوا حیدرآباد میں مستقل سکونت اختیار کرلی ہے۔ اپنی وضعداری اور حسن کردار کے باعث ہر دلعزیز ہیں بہت خلیق اور ہمدرد اور منصف الشان ہیں آپکا ننہالی تعلق خاندان نواب تفضل حسین خاں تفضل و زیر اودھ کا ہے۔ الف اے تک علیگڑھ میں تعلیم پائی بی اے۔ ایل ایل بی کی ڈگری عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے حاصل کی۔ یونیورسٹی کالج یونین کے پریسیڈنٹ منتخب ہوئے تعلیم ختم کرکے کچھ زمانہ تک جناب مولوی سید عسکری حسن صاحب بیرسٹر (نواب عسکریار جنگ لیگل لیڈ وائزر ٹو دی گورنمنٹ حیدرآباد) کے ساتھ بحیثیت جونیر کام کیا۔ اور بعد ازاں جداگانہ وکالت شروع کی حیدرآباد کے سربرآوردہ وکلا میں سے ہیں بہت ذہین اور خود دار آدمی ہیں

ایک مرثیہ کے چند بند

جناب سید کاظم حسین صاحب واثق خلف الصدق جناب الحاج مولوی سید عبداللہ صاحب حیدرآباد دکن میں ہر سال ایک مرثیہ نو تصنیف پڑھتے ہیں۔ مجھے بھی ایک مرتبہ مرثیہ سننے کا موقع نصیب ہوا۔ واقعی خوب کہتے ہیں اور خوب پڑھتے ہیں۔ اس سال میری فرمائش پر ایک مرثیہ مرحمت فرمایا جس کے چند بند ہدیہ ناظرین ہیں جس اختصار کے ساتھ تبلیغی نقطہ نظر سے واقعہ کربلا کو پیش کیا ہے وہ ہر طرح قابل داد ہے۔

خاکسار حیدری۔

حق پہ ہونے کو فدا شوق سے جاتے ہیں حسینؑ — خلق کو دعوتِ حق دے کے بلاتے ہیں حسینؑ
ادب و خلق زمانے کو سکھاتے ہیں حسینؑ — شانِ ایثار کی عالم کو دکھاتے ہیں حسینؑ
تشنہ لب آئے تو پانی بھی پلا دیتے ہیں
جان دیدے کے یہ مُردوں کو جلا دیتے ہیں

شرک اور کفر کو دنیا سے مٹاتے ہیں حسینؑ — راہِ حق سارے زمانے کو بتاتے ہیں حسینؑ
وقت اب آگیا سر اپنا کٹاتے ہیں حسینؑ — آج سوتی ہوئی دنیا کو جگاتے ہیں حسینؑ
ظلمتِ کفر کا منہ دہر سے کالا کرنے
جا رہے ہیں یہ اندھیرے کو اُجالا کرنے

آج دنیا میں ہے جو حق کے مقابل باطل — چین مطلق نہیں بےچین ہے شبیرؑ کا دل
کرنی ہے مذہبِ اسلام کی آسان مشکل — سب کو ہمراہ لیئے جاتے ہیں شاہِ عادل
عزتِ دین کو سمجھتے ہیں جو عزت اپنی
ہیں لُٹا دینے پہ تیار بضاعت اپنی

اہلِ بدعت پہ نہیں شہ کو چڑھائی منظور — ہے حکومت کی ہوس اور نہ لڑائی منظور
گر ملے تو نہ کریں تختِ طلائی منظور — صرف شبیرؑ کو ہے راہ نمائی منظور

محنتیں کرنے پہ تیار خدائی کے لیئے
رہبرِ دین چلا راہنمائی کے لیئے

تھے ابھی راہ میں سرور کہ ملا حُرِ جری کُل خبر کوفہ کی شبیرؑ کو معلوم ہوئی
راہ لی شاہ نے یہ سنتے ہی اس جنگل کی پہونچا جب ماریہ پر رُک گیا فرزندِ نبی

پھر کہا سب سے قدم اب نہ بڑھائے کوئی
ہو چکا ختم سفر آگے نہ جائے کوئی

اُترا سب قافلہ خیمہ ہوا سرور کا بپا فوجیں آنے لگیں کوفے سے پئے ظلم و جفا
بند پانی شہِ ابرار پہ ہفتم سے ہوا تا دہم بھر گیا افواج سے سب دشت بلا

شاہ نے کی شب عاشور بسر طاعت میں
صبح کا ہونا ہی تھا گھر گئے بس آفت میں

مستعد مرنے پہ پھر توشہ ابرار ہوئے نصرت دین خدا کے لیئے تیار ہوئے
ظلم کرنے پہ کمر بستہ جو اشرار ہوئے عازم دشت وغا شاہ کے انصار ہوئے

حق مودت کا تھا جو کچھ وہ ادا ہونے لگا
قدم شاہ پہ ایک ایک فدا ہونے لگا

شاہ دیں وعدۂ طفلی کو وفا کرنے لگے فرض جو امر تھا سرور وہ ادا کرنے لگے
دوستوں اور عزیزوں کو جدا کرنے لگے اپنے پیاروں کو رہ حق میں فدا کرنے لگے

مشکلیں خلق کی آسان کیئے جاتے ہیں
پاس جو کچھ ہے وہ قربان کیئے جاتے ہیں

کام میں اپنے ہیں مصروف شہ جن و بشر خیمہ میں جاتے ہیں گہ آتے ہیں گاہے باہر
جاں نثاروں میں سے ہوتا ہے کوئی قتل اگر جانب دشت وغا جاتے ہیں با دیدہ تر

شرط الفت کی جو انصار بجا لاتے ہیں
لاشے ان کے شہِ ابرار اٹھا لاتے ہیں

جان انصار نے جب بہر صداقت دیدی گو دکے پالوں کو شبیر نے رخصت دیدی
علی اکبر کو بھی مرنے کی اجازت دیدی واسطے حق کے شہِ دیں نے بضاعت دیدی

سخت اک معرکہ تھا اس کو بھی آسان کیا

دودھ پیتے ہوئے بچے کو بھی قربان کیا

جان فدا کرنے کو کوئی نہ رہا بعد صغیر — عازم دشت وغا آپ ہوئے خود شبیر
ظلم کرنے لگے فرزند نبی پر بے پیر — ایک جان کیلئے تھے سیکڑوں گرز و شمشیر

شاہ کھاتے ہیں جو ہنستے ہوئے تلوار کے زخم
روتے ہیں خون کے آنسو جد زار کے زخم

حق کی ہونے لگی عالم پہ حقیقت ظاہر — ایسی بیداد پہ بھی سرور دیں ہیں صابر
بھوک اور پیاس کی حالت میں ہیں ہر دم شاکر — رکھدیا اپنا گلا تیغ کے نیچے آخر

موت سے بڑھ کے بصد شوق ہم آغوش ہوئے
سر کٹا تن سے تو شبیر سبکدوش ہوئے

زریں قربانی

از حضرت علامہ سید محمد حبیب الثقلین فقیہ فاضل، فاضل مشرقیات رئیس امروہہ
ابن حضرت مولانا مولوی سید محمد صاحب قبلہ مجتہد امروہہ

خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اس کے نام پر عزت و جان و مال سے ایثار کرنا قربانی کہا جاتا ہے اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے اندر ہر زمانہ میں قربانیاں کی گئی رہیں حق ہمیشہ باطل کے ہاتھوں ذبح ہوتا رہا، اہل حق کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کرکے ان کے مال و متاع کو لوٹا گیا ان کی حرمت زائل کی گئی لیکن ان قربانیوں کا اثر صرف وقتی تھا جو انقلاب زمانہ سے رفتہ رفتہ محو ہوتا رہا اور آج ان سے کوئی سبق لینے والا نہیں گویا کہ قلوب سے ان کی یاد جاتی رہی۔ یوں تو دنیا میں سیکڑوں قربانیاں ہوئیں مگر چند قربانیاں دنیا میں ایسی ہوئیں کہ جن کو اسلام آج تک وسیع نظر سے دیکھ رہا ہے۔ حضرت ہابیل و جناب زکریا و حضرت یحییٰ و جناب اسمٰعیل علیہم السلام کی قربانیاں کوئی معمولی قربانیاں نہیں ہیں خداوند عالم نے خود قرآن میں ان کا ذکر فرمایا ہے اور با عظمت قربانیاں ہیں لیکن ان قربانیوں کا اثر ایک محدود وقت کیلئے تھا یہ قربانیاں صرف اسی زمانہ کے لوگوں کے لیے موثر ثابت ہوئیں لیکن ابھی دنیا میں ایک ایسی قربانی کی ضرورت تھی کہ جس کا اثر تاقیام قیامت زائل نہ ہو اور جو نہ صرف اپنے اہل زمانہ کیلئے مفید ہو بلکہ جملہ قیامت تک آنے والی نسلوں کیلئے ایک قابل تقلید مثال

بچائے اور وہ قربانی ایسی ہونی چاہیئے جو دنیا کی تمام
قربانیوں سے اشرف و اعلیٰ ہو۔ اگر غور سے دیکھا جائے
تو معلوم ہوگا کہ ایک قربانی دنیا میں ایسی ملتی ہے کہ جس کے
مقابلہ میں دنیا کی تمام قربانیاں ایک معمولی حیثیت رکھتی ہیں
اور جسکو قرآن میں ذبح عظیم سے یاد کیا گیا ہے اور وہ قربانی
کوئی معمولی قربانی نہیں ہے بلکہ ایسی قربانی ہے کہ جسکے مقابلہ
میں دنیا کی کوئی قربانی پیش نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ ہر قربانی
افادی حیثیت میں اس سے کمتر نظر آئے گی۔ وہ صرف ایک
کربلا کی قربانی ہے۔

جملہ قربانیوں کے حالات و کیفیات سے قطع نظر کرتے
ہوئے صرف اتنا دکھانا مد نظر ہے کہ آیا جناب اسمٰعیل کی
قربانی کربلا کی قربانی کے مرادف ہے یا نہیں۔ سطحی نظر ڈالنے
سے معلوم ہو جائیگا کہ ذبح حضرت اسماعیل اور فدیہ جناب
امام حسین میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ ذبح حضرت اسمٰعیل
کا واقعہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ جناب ابراہیم نے دیکھا تھا کہ
میں بیٹے فرزند اسمٰعیل کو ذبح کر رہا ہوں خواب سے بیدار
ہونے کے بعد آپ نے اپنی خواب کو پورا کرنے کا ارادہ کیا
اور جناب ہاجرہ سے آپ نے فرمایا کہ اسماعیل کو میں ایک
دوست کے یہاں لے جانا چاہتا ہوں لہذا ان کو لباس
فاخرہ سے آراستہ کرو ماں نے اپنے ہاتھوں سے بیٹے کو عمدہ
لباس پہنایا۔ آنکھوں میں سرمہ لگایا اور اپنے فرزند کو دولہ
بنایا۔ حضرت ابراہیم اپنے فرزند کو لے چلے۔ راستہ میں
باپ نے بیٹے کو اپنی خواب سے مطلع کیا۔ بیٹے نے سنا اور
سر تسلیم خم کر دیا۔ باپ بیٹے مقام ذبح پر پہونچے باپ کی فطری
محبت نے جوش کیا۔ مگر ارادہ میں لغزش پیدا نہ ہوئی بیٹے
نے باپ سے عرض کیا کہ اے بابا ذبح کے وقت آپ
اپنی آنکھوں پر ایک پٹی باندھ لیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ میرے
گلے سے ابلتا ہوا خون دیکھیں اور آپ کے قدم میں لغزش
آجائے اور میرے پاؤں رسی سے مضبوط باندھ دیجئے ایسا
نہ ہو کہ میرے تڑپنے سے آپ کے لباس پر میرے خون کی
چھینٹیں پڑیں اور واپسی پر میری مادر گرامی ان حالات کا
مشاہدہ کریں۔ اگر میری ماں میرا خون دیکھیں گی تو بیچین
ہو جائیں گی بہر طور چھری چلی ذبح کر چکے آنکھوں سے
پٹی کھولی دیکھا کہ اسمٰعیل علیحدہ کھڑے ہیں اور ایک دنبہ
مذبوح سامنے پڑا ہے۔ سمجھے کہ شاید خداوند عالم نے میری
قربانی منظور نہ فرمائی فوراً ارشاد الٰہی ہوا کہ اے ابراہیم
تم نے اپنی خواب کو سچا کر دکھایا۔ تمہاری قربانی قبول ہوگئی
اور ہم نے ذبح اسماعیل کو ذبح عظیم سے بدل دیا۔

اسمیں شک نہیں کہ جناب ابراہیم کا یہ امتحان کوئی
معمولی امتحان نہ تھا۔ قدرت کی طرف سے باپ کو بیٹے کے
ذبح کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ ممکن تھا کہ جناب ابراہیم کے
قدم لغزش کر جاتے لیکن بات یہ ہے کہ جیسی قربانی ہوتی
ہے ویسی ہی اس کی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ جناب ابراہیم
کو خواب دیکھنے کے بعد بیٹے کے ذبح کرنے میں زیادہ عرصہ
نہیں گذرا۔ شب کو خواب دیکھا اور صبح کو ذبح کے لئے تیار ہو
گویا خواب دیکھنے کے بعد منزل امتحان کو کامیابی کے ساتھ ختم
کر جانے میں زیادہ وقت نہیں گزرا اور یہ ظاہر ہے۔ کہ
کسی نبی یا معصوم کے لئے اسکی منزل امتحان کا بُعد اس کے
شوق کامیابی میں زیادتی کا باعث ہوا کرتا ہے۔ اور یہی
شوق جوں جوں بڑھتا رہتا ہے۔ کمال عرفان کی منزل

ترتیب تر ہوجاتی ہے۔ نیز وہ تمام حالات جن کے ساتھ ساتھ
اس کو اس کٹھن منزل سے گذرنا ہوتا ہے۔ اول سے اُس کے
پیش نظر ہوتے ہیں جس کی بنا پر یہ کہا جائیگا کہ گویا اس
کے قلب کا امتحان اسوقت سے شروع ہوجائے گا۔ کہ جب
وہ اپنے اصلی امتحان سے مطلع ہو۔ پس جناب ابراہیم کو قدرت
کی طرف سے امتحان قلب کا اول سے کوئی موقع نہیں دیا
گیا۔ کامیابی امتحان کے شوق میں زیادتی نہیں ہوئی۔ مگر
حسین کا امتحان وہ امتحان ہوا کہ جس کی اطلاع حسینؑ کو
بچپن میں دیدی گئی تھی جوں جوں زمانہ گذر رہا تھا
کامیابی امتحان کے شوق میں زیادتی تھی۔ اور امتحان
کی اہمیت میں ترقی ہو رہی تھی۔ ذوق امتحان کی بڑھتی ہوئی
اُمنگ اور کامیابی ابتلائی اُمید افزا خواہش حسین کے
ارادہ میں باوجود ناموافقت زمانہ کے تقویت دیتی جاتی
تھی۔ صرف قدرت سے قربانی کا وعدہ نہ تھا۔ بلکہ ذبح عظیم
کا وعدہ تھا اور حسین اسکو عظیم تر بنانے کے متمنی تھے۔ نیز
عالم طفلی میں حسینؑ کا اس ابتلاء و امتحان کو ہنسی خوشی سے
قبول کرنا یہ بتاتا ہے کہ حسینؑ کو بچپن کے عالم سے منزل
امتحان کا تصور معرفت الٰہیہ میں اس سے زیادہ ترقی کا باعث
ہو رہا تھا کہ جس پر جناب خلیل عالم پیری میں نازاں تھے۔

پس معلوم ہوا کہ ایسے امتحان کو کامیابی کے ساتھ ختم
کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ اس امتحان کے لئے قدرت نے
حسینؑ کو منتخب کیا۔ اور فرزند رسول بھی اس کی اہمیت و
عظمت کا خیال کرتے ہوئے اس کا بار اُٹھانے کے لئے تیار
ہوگئے حالانکہ یہ ابتلا کوئی معمولی ابتلاء نہ تھا۔ حسین کے سامنے
اس امتحان کی دو زبردست منزلیں پیش تھیں۔ ایک کامیابی کے
ساتھ اس منزل سے گذرنا دوسرے تحفظ مذہب اسلام جو
جو اس امتحان کے ساتھ ساتھ تھا یہ دونوں ایسی منزلیں
تھیں کہ جن کی ذمہ داری حسین پر بچپن سے عاید کردی
گئی تھی لیکن حضرت اسماعیل کی قربانی صرف ابتلاء و
امتحان تک ہی محدود تھی۔ دین ابراہیمی کا تحفظ اس سے
مدنظر نہ تھا۔ حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند کو مذہب کی
حفاظت کے لئے قربان نہیں کیا تھا بلکہ صرف قدرت کا
ایک امتحان تھا جس میں جناب ابراہیم کامیاب ہوئے۔
مگر حسین نے اپنی قربانی سے نہ صرف امتحان میں کامیابی
حاصل کی بلکہ ساتھ ہی ساتھ دین اسلام کا ہمیشہ کے لئے
تحفظ کردیا۔

جناب ابراہیم کا ابتلاء و امتحان صرف ان کے فرزند کی
قربانی تک محدود تھا لیکن حسین نے نہ صرف ایک فرزند
کو راہ خدا میں قربان کیا بلکہ بھائی بھتیجے، بھانجے تک
نثار کردیئے۔ یہاں تک کہ خود بنفس نفیس جان دیکر اسلام
کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچایا۔ حسین کے کڑیل جوان فرزند
کی قربانی کا اگر حضرت ابراہیم کے فرزند کی قربانی سے مقابلہ
کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جناب علی اکبر کی قربانی کتنی اہمیت
رکھتی ہے۔ جناب ابراہیم نے حضرت اسماعیل کی مادر گرامی
کو ان کے فرزند کے ذبح ہونے کی آخر وقت تک اطلاع نہ
کی۔ بلکہ یہ فرمایا تھا کہ میں اسماعیل کو ایک دوست کے
یہاں لے جارہا ہوں۔ اس کے بعد جناب ہاجرہ نے اپنے
فرزند کو لباس فاخرہ سے آراستہ کیا۔ مگر میدان کربلا میں
جناب سیدالشہداء فرزند کے اصرار کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ
بیٹا اپنی مادر گرامی سے مرنے کی اجازت لے لو۔ علی اکبر نے

اجازت لی جناب ام سلیٰ نے اپنے فرزند کو یہ سمجھ کر رخصت کیا کہ مرنے جا رہا ہے۔ لیکن قدم میں لغزش نہ آئی۔"

ان حالات کے بعد یہ ماننا پڑیگا کہ حسینؑ کی قربانی صرف یہی وہ قربانی ہے جسکو قرآن میں ذبح عظیم سے یاد کیا گیا ہے۔ آج دنیا ذبح عظیم کی تعبیر میں طرح طرح کے اختلافات پیدا کرتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن میں جناب اسمٰعیل کی قربانی کا بدلہ کسی معمولی فدیہ کو قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ لفظ عظیم کہہ کر اس کی اہمیت و عظمت واضح کی ہے اگر عید الاضحیٰ کے روز گائے بکروں کی قربانیاں ذبح عظیم سے یاد کی جاتی ہیں تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ ان میں کون چیز ایسی باعظمت ہے کہ جس کی بناء پر قرآن نے ان کو ذبح عظیم سے یاد کیا۔ نیز ایک نبی زادہ کی قربانی کا بدلہ جانوروں کا ذبیحہ قرار پانا اس نبی زادہ کی شان میں بڑی منقصت پیدا کرتا ہے۔ جو کسی طرح خداوند عالم کا مقصود نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ ذبیحہ کسی باعظمت انسان سے ہی مخصوص ہو سکتا ہے۔ اور سوائے حسینؑ کے کوئی دوسری ذات نظر نہیں آتی۔ تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ پیغمبر اسلام کے زمانہ تک ذبح عظیم کا وقوع نہیں ہوا۔ اگر ہوتا تو رسول اللہ ضرور اس کی طرف اشارہ فرماتے، لیکن زمانہ رسول تک اس ذبیحہ کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ بلکہ بعد رسول صرف حسینؑ کی ہی شہادت وہ قیامت کی شہادت واقع ہوئی جو مقصود ذبح عظیم ہے۔ اور اسی وجہ سے اس صاحب ذبح عظیم کو بالفاظ دیگر سید الشہداء کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے

غزل

مولا علیؑ امام علیؑ پیشوا علیؑ

(از حضرت جامی)

تو ہے عجیب خدا کی قسم یا خدا علیؑ
شایان شاں ہیں سب ترے القاب یا علیؑ

تیرے سوا ہے کون شہ لا فتیٰ علیؑ
ملتی ہیں اُن کے ہاتھ سے عرفاں کی دولتیں

پورا ہوا بجبر مجرب ہے یہ عمل
ملتا ہے پیروی سے تری جادہ یقیں

ہم نام کبریا ہے ترا نام یا علیؑ
مولا علیؑ، امام علیؑ، پیشوا علیؑ

للہ کر فقیر کی امداد یا علیؑ
گھر علم کا رسول ہیں در علم کا علیؑ

جس کام کو شروع کیا کہہ کے یا علیؑ
یعنی سراغ حق ہے ترا نقش پا علیؑ

ملتے ہیں جس کے دامن دولت میں شیخ حق
بازوئے مصطفےٰ بھی ہے دست خدا بھی ہے
اک جان پنجتن ہے نہیں اس میں کچھ کلام
پائے وہ ہم نے ہیں جو پیارے نبی کے ہیں
جامی ملیں گے حشر میں ساغر نہیں ضرور

ہے زہ ہزبر بیشہ قرب خدا علیؑ
کیوں ہو دم جدال نہ خیبر کشا علیؑ
زہرا حسن حسین رسول خدا علیؑ
از بو الحسین حسب ارشاد تا علیؑ
ساغی ہیں غوث ساقی روز جزا علیؑ

تذکرۃ المشاہیر

آقائی سید ابو الحسن مشہدی دام عزہ علاہ

(کہکشاں دھلی) (نوٹ آقائے محترم کا عکس نمبر خصوصی میں شایع ہوگا)

ہندوستان کے مختلف نقاط و بیرون ہند۔ چین جزائر مشرق الہند، سیام۔ ایران و عراق وغیرہ میں گردش کرنے کا موقعہ ملا۔ مختلف مذاہب کے علما و فضلا و باکمال حضرات کی خدمات میں حاضر ہوا۔ روحانیوں کے برکات سے بھی مستفیض ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن جون سنہ ۱۹۴۱ء میں یادگار حسینی کے وفد کے ہمراہ بمبئی میں پہونچکر جو روحانی مسرت حاصل ہوئی وہ اندازہ سے باہر ہے۔ اس سفر میں آقا سید ابو الحسن مشہدی زاد اللہ شرفہم حسن کی خدمت میں اس موقع کے پیشتر چند بار شرف ملازمت حاصل کر چکا تھا۔ میری خوش نصیبی سے بمبئی میں مقیم تھے اور اسی جگہ قیام تھا جہاں ہمارا وفد ٹھہرایا گیا تھا روزانہ صبح و شام آقائے موصوف کی خدمت میں باریابی کا موقع ملتا رہا۔ اور اس مرتبہ جو معرفت حاصل ہوئی وہ سابق کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ آقائے موصوف علوم غریبہ و فنون عجیبہ سے مثلاً علم الاعداد و علم الحروف کے استاد کامل اور عالم باعمل ہیں اس سید جلیل کے کمالات کی جھلک جو چند روز کے قیام کے زمانہ میں نظر آئی وہ حقیقتاً بے مثل و بے مثال تھی۔ آقائے موصوف دس سال سے ہندوستان میں تشریف فرما ہیں اور اپنے کمالات کی بنا پر مرجع انام بنے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کے طول و عرض میں ہزاروں بندگان خدا آپ کے انفاس قدسیہ کی برکت سے اپنی مرادوں کو پہونچتے ہیں۔ ہر قوم و ہر ملت کے افراد آپ کے فیوض برکات سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔ علم اوفاق (نقوش) و جفر جامع میں جو ید طولیٰ آپ کو حاصل ہے اُس کی

اسکی قدر درحقیقت صاحبانِ علم ہی کر سکتے ہیں لیکن مجھے اس امر کے اظہار میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے کہ آپ کے کمالات کا اثر خاص و عام پر یکساں ہے خداوند عالم آپ کے فیوض و برکات سے تمام عالم انسانیت کو بہرہ اندوز فرمائے۔

باوجود حد درجہ مصروفیت کے آپ کبھی حمد و نعت و منقبت وغیرہ میں اپنے جذبات کا اظہار بذریعۂ نظم فرماتے ہیں جو یقیناً اہل معرفت کے دیدہ و دل کو منور کرتا ہے ہماری خوش نصیبی ہے کہ آقائے محترم نے اپنے بعض کلام کو اسلامی دنیا کے صفحات پر شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے ایک شب کنار دریا ہماری جماعت مصروف سیر و تماشا تھی۔ شب ماہ میں دریا کا طلاطم محشر خیز تھا آقای موصوف نے برجستہ دریا کے مد و جزر کی کیفیت ایک نظم کی صورت میں پیش کی جو صاحبان ذوق کو یقیناً بید پسند آئیگی

تماشا [illegible]

درکنار بحر بنشستیم دیدم آب را
سر زند بر سنگ و فریاد از جگر آرد برد
سنگہا را سودہ سازد خاکہا بر سر کند
گاہ حرکت مینماید تا رود در آسماں
از شعاع ماہ کردہ روی خود را روغنی
دستہ دستہ لشکر موج از درون آرد بروں
ہر طرف رنگی دگر رنگی دگر رنگی دگر
گہ چو ماہیہا طپد گہ ہمچو افعی با خبر
بر کنار و تیغ او میدان رزمی در نظر
صد ہزاراں ماہ منظر بر جنبش جلوہ گر
گہ لرزش بریمین و گہ ینش بر یسار
خوردہ کشتی ہا و بردہ مال و کشتہ مردماں
کفر عشقش آنچناں طغیاں نما بر نیم شب
چشم او بر ماہ روشن چشم مہ روشن براو
در تمام عمر شاں ایں شغلشاں در روز و شب
ہر کہ درس عشق او را بشنود از گوش دل
بار الہا بوالحسن را در محبت غرق کن

حملہ دارد کہ گیرد در بغل مہتاب را
تا کہ بنماید براو دردِ دلِ بیتاب را
تا کشاید پر نماید گودی گرداب را
گاہ گردد بر زمیں تا باز سازد باب را
اختیار از دست دادہ بردہ از سر خواب را
تا بگیرد در کمندش آں چراغ قاب را
گویا گستردہ فرش مخمل و کمخواب را
گہ چو آہوہا دود تا فتح سازد باب را
تہمتن با تیغ و تیرش میکشد سہراب را
از کجا باشد خبر آں مادر سیلاب را
از طلاطم محو کردہ چشمۂ سیماب را
صد ہزاراں غرق کردہ رستم و دارآب را
کز نہیبش لرزہ آرد مسجد و محراب را
حق زکارہر دو شاں بکشاید ی قلاب را
در تحیر آورد عقل اولو الالباب را
میزند بر سر کتاب بحث ایں طلاب را
تا سپندازد ز کف ایں کہنہ اصطلاب را

own pen an amulet on a gold tablet, and this has been done at a particular auspicious moment most proper to the work, when the Sun entered Aries (19 degrees) attaining his highest point of progress.

This gold tablet amulet is miraculous in its power of producing wonderful results in the realisation of all aims and objects that may be held in view by H. E. H the Nizam. The amulet affords protection against all undesirabilities, adversities and misfortunes-good luck and auspiciousness in all important affairs triumph and success in all undertakings.

It is really wonderful that according to Zubur and Bayyanat (two important branches of the Abjad System) the Grand Total of the amulest being 21421 gives the word Mubarak (مبارک) occuring ... as permanent rhyme in the Nizam's congratulatory couplets already mentioned.

The numbers in the first horizental column of the amulet coincide with the sums of the Five Couplets in serial order as is the case with the first horisental column of the table.

At the bottom of the table there are two small circles on either side of the amulet giving the dates in the Hijra Year of begining and completing the work respectively. The author's signature (with the preceding epithet) at the very botton of the table gives the date of the completion of the work in the christian era.

Board of Indian Medicine,
UNITED PROVINCES

Dated Lucknow, June 16, 1941.

To The Editor,

ISLAMI DUNYA, BUDAUN.

Dear Sir,

I am desired by Sir Saiyid Wazir Hasan, Chairman, of the Board to request you to kindly oblige the Board by publishing the following item of news in your esteemed paper free of charge.

Yours faithfully,
(Sd.) S. PHILLIPS, *Secretary.*

The recognition accorded to the Ayurvedic Tibbiya College, Saharanpur, by the Board of Indian Medicine, U. P., for purposes of registration, has been cancelled.

This table contains twenty five larger squares in appositeness with the Silver Jublee (Jashn'i Seemin) of H. E. H. held after twenty five years of the Nizam's reign. Each larger square has twenty five smaller ones. The first horisental column of the table contains all the titles of H. E. H., while all other squares in the table have epithets designed and arranged in a most apposite way. Each epithet has its numerical value given below it with the chracteristic that not a single number is repeated in the whole table.

If the different numbers of the five smaller spuares in the first larger square of the first horisental column (containing five larger squares) are added up together horisentally, vertically or diagonally the sum thus obtained will be 3405, that is the same as tho total numerical value of the first couplet. Similarly the total sums of tho smaller squares in the second larger square of the first horisental column, when added up together give the number 3330, being the total numerical ,value of the second couplet. Again the total numerical value of the third larger square is the same as that of the third couplet, of the fourth as that of the fourth and of the fifth as that of the fifth.

The total numerical values of any twenty five smaller squares out of the 625 smaller squares in the table, when added up together horizentally, vertically or diagonally, give the sum 21421 being the Grand Total of the numerical values of the letters in all the Five Couplets. Accordingly the same number (21421) is given at the end of each horizental, vertical or diagonal column.

The amulet inscribed at the bottom of the table forms the very gist of the whole table and contains all that is in it according to the Abjad System. This amulet is designed in the form of a five-column tablet. The sum total of the numbers in the squares in this amulet conicides with the total numerical value of five verses of the Holy Quran. These verses are written in Kufic script in two figures each of the form of a moon with the star in either corner at the top of the table. On the basis of these verses the author has prepared with his

and returned to India after performing the Holy pilgrimage to Mecca. Was appointed Head Master of University School, Aligarh in the beginning of 1924, where he worked till 1930. In July 1930 His present Highness asked him to enter his service, and appointed him as a Puisne Judge in the newly constituted Rampur High Court. He was appointed Household Minister in February 1931. Officiated as Chief Minister during Sir Abdussamad Khan's absence in Europe in 1931, 1932, and 1933 and since then worked as Political Minister till this recent appointment. Attended the Third Round Table Conference in 1932 on behalf of Rampur. Presided the U. P. Muslim Educational Conference session at Moradabad in 1935. Officiated as Revenue and Finance Ministers for 5 months from May, 1936 to November 1936. Appointed permanently as Chief Minister on 1st December 1936.

His Holiness Agha S. Abul Hasan Mashhadi about whom the readers will find note in urdu under تذکرۂ مشاہیر prepared a Golden Tablet in connection with the silver Jubilee of H. E. H. the Nizam of Hyderabad and Berar. The work was completed within 2 years and is second to none of its kinds. Dr. Lachhmi Narain M. A., D. Sc. of Lucknow Uy: has gone through it and has expressed his opinion. We are going to give a short description of that Golden Tablet. Those who want to know some thing more may refer to the learned author at the following address.

AGHA S ABUL HASAN, Mashhadi.
Kahkashan, Delhi.

(L. A. HAIDARI.)

Naqsh'e Zarrin Dar Jashn'i Seemin.

(The Silver Jublee Golden Tablet.)

A full description and detailed explanation of the Naqsh (tablet) is given in a book entitled "Saheef'ay Mukarram" by the auther. The table has at its top five congratulatory couplets by His Exalted Highness the Nizam. The total numerial value, according to the Abjad system, of the letters contained in each couplet is given at its foot; while the total numerical value of all the five couplets is given at the foot of the third couplet and named Grand Total.

London, Royal Automobile Association, London and Marlbourough Club, London, and is a Major in the 2nd King George's Own Gurkha Rifles.

Since the creation of the State of Rampur by Nawab Syed Ali Mohammad Khan Bahadur in the middle of the 18th century invaluable service to Moghal Emperors, alliance with the British against France Mutiny in 1771 and perfect devotion to His Imperial Majesty during the Mutiny of 1857 have been the landmarks of the history of his family. During the Great War of 1914—18, Nawab Sir Syed Mohammad Hamid Ali Khan Bahadur rendered meritorious services to the British Government.

Area of the State:—892. 54 Sq. Miles.

Population:—464, 919.

Revenue:—Rs. 45, 16, 985.

Salute:—Permanent 15 guns.

LIFE SKETCH OF
H'BLE S. BASHIR HUSAIN ZAIDI, B. A. (Cantab)
Bar-at-Law, C. I. E., Chief Minister, Rampur

School Education.

ARABIC HIGH SCHOOL, DELHI.

Higher Education.

Graduated from St. Stephen's College, Delhi in 1919, proceeded to England where he joined the Cambridge University. Represented India at the International Students Conference at Turnow (Czechoslovakia) in 1921. Was invited to address the members of Bilthoven centre (Holland) in 1922. Graudated from Cambridge in History in 1922, and was called to the Bar from Lincoln's Inn in 1923. After completing his studies he travelled extensively in Europe,

men defeated, got up to the top of a rock, and there presenting his sword to his naked breast, and assisted, as they say, by a friend, who helped him to give the thrust, me his death.

NOTE—The brutal Yazid met the same fate as Brutus had. He died a most reproachable death, un-wept, un-honoured and un-sung. (Haidari.)

WHO IS WHO ?

1. His Highness the Nawb Sahab Br.

OF

RAMPUR.

MAJOR His Highness, Alijah, Farzand-i-Dil-Pizir-i-Daulat--i-Inglishia, Mukhlis-ud--Daula, Nasir-ul--Mulk, Amir-ul-Umara, Nawab Sir Syed Mohammad Raza Ali Khan Bahadur, K. C. S. I., LL. D., D. Lit, Mustaid Jung, Ruler of Rampur. The reigning family of Rampur are Syeds and come from the famous Sadati Bareha in the Muzaffarnagar District U. P.

Born:--17th November 1906.

Succeeded to the Throne on 20th June 1930. Formal installation took place on 26th August 1930.

Educated: At the Rajkumar College, Rajkot.

Married:--In 1921 the daughter of Sahebzada Sir Abdussamad Khan Bahadur, Kt., C. I. E. His Highness has two sons and four daughters.

Heir apparent: –Sahebzada Syed Murtaza Ali Khan Bahadur. Born on 22nd November 1923.

His Highness has a taste for music and fine arts; is a Patron of the Delhi Flying Club, Member of the East Indian Association

and then disappeared, and the dimness of the sun, whose orb continued pale and dull for the whole of that year never showing its ordinary radiance at its rising, and giving but a weak and feeble heat. The air consequently was damp and gross for want of stronger rays to open and rarify it. The fruits, for that reason, never properly ripened, and began to wither and fall off for want of heat before they were fully formed. But above all, the phantom which appeared to Brutus showed the murder was not pleasing to the gods. The story of it is this.

NOTE—When such might have occurred after the murder of Ceasar a thousand times greater signs of displeasure of God must have appeared on the murder of the Prince of martyrs and his followers in Karbala. *(Haider.)*

Brutus being ready to pass over his army from Abydos to the continent on the other side, laid himself one night, as he used todo, in his tent, and was not asleep, but thinking of his affairs, and what events he might expect. For he is related to have been the least inclined to sleep of all men who have commanded armies, and to have had the greatest natural capacity for continuing awake, and employing himself without heed of rest. He thought he heard a noise at the door of his tent, and looking that way, by the light of his lamp, which was almost out, saw a terrible figure, like that of a man, but of unusual stature and severe countenance. He was somewhat frightened at first, but seeing it neither did nor spoke any thing to him, only stood silently by his bedside, he asked who it was. The spectre answered him, "Thy evil genius, Brutus, thou shalt see me at Philippi". Brutus answered courageously, "Well, I shall see you," and immediately the appearance vanished. When the time was come, he drew up his army near Philippi against Antony and Ceasar, and in the first battle won the days routed the enemy, and plundered Ceasar's Camp. The night before the second battle, the same phanton appeared to him again, but spoke not a word. He presently understood his destiny was at hand, and exposed himself to all the danger of the battle. Yet he did not die in the fight, but seeing his

also propagate throughout the year from one corner of the country to another that the martyrdom has no great importance attached to it and similar martyrdoms or even of greater importance have been found in the history of Islam. This is sheer absurdity. We cannot refuse facts which are marked on pages of history which bear some importance and are based an authenticated reports from persons of high bearing and standing We find certain things in "the World's Library of Books" under Plutarchs lives which we quote here for the information of our readers. We wish that the Yazidi contractor's might go through these few lines and if they be impressed they should try to understand and realize the importance of the martyrdom of the Prince of martyrs and believe in the words of the Holy Prophet of Allah. They will then come to know that the tyrant Yazid had to meet the same fate as Cassius did, who had murdered Ceasar, although there is no similarily between the two as our Lord Husain died for the cause of Islam. The noblest of all causes. When according to European authors Ceasars murder became the cause of displeas to God's of European writers the martyrdom of Husain, the King of martyrs must have naturally caused displeasure to the Lord of the unverse the Almighty God.

(The World's Library of Best Books)

PLUTARCHS LIVES. p. 481.

CEASAR MURDERED & AFTER.

The God's disp'essed—

The most remrarkable of mere human coincidences was that which befell *Cassius*, who when he was defeated at Philippi, killed himself with the same dagger which he had made use of against ceasar. The most signal preternatural appearances were the great Comet, which shone very bright for seven nights after Ceasar's death,

"GOD'S DISPLEASED"

BY

L. A. HAIDARI.

THE European or American Press publish things now and then and there are very few in those continents who criticise or reject hurriedly such publications. Still fewer is the number of those who deny facts given by authors of some standing and reputation. On the other hand in India in general and in U. P. in particular there is majority of such persons who are always bent upon denying, criticising, and refusings facts relating to the people of the house, the family of the prophet of Allah. When one says that there are reports of higher authorities that "Ali-Son of Abu Talib-the Lion of God, Cousin, son-in-law and most adherent disciple of Muhamad, the prophet of Allah, was born in Kaaba, the holy shrine in Mecca, all these loud speakers announce that it never happened and the only word which they can utter is No !. There are hundreds and thousands of such no's existing though of very little importance. Their refusal cannot prove any yes ! to be No !. The same case is with the martyrdom of Lord Hosain the beloved grand son of the prophet of Allah. We have not a similar case in the History of the world, since the begining of the Universe. The Muslim as well as Non-Muslim writers have mentioned in their respective works facts connected with that great event in the history of mankind. Shah Abdul Aziz--the most famous Sunni authority mentions in his book--Sirrual shahadatian page 6 printed in Mustafai Press Lucknow in 1257 A. H. (about 104 yrs. ago):-"Then, when, this event of martyrdom took place, its announcement was made (in this way) that the earth was changed into blood, and there was blood rained fall from the sky, and an announcer from heaven read marsias (death news) and the Jinii lamented and wept and the heasts (of the forest) made rounds around the dead body of the martyr, to guard it against the mischievous enemies and the snakes entered into the nostrils of the tyrant murderers etc. These enemies of truth not only deny the facts but

the Master's place after the lapse of half a century, delighted in the vain things of earth The plays and pastime of earthly life appeared to him the realities, and his perverted nature began to indulge in the paganism the Master had denounced. Power, temporal power of a despot was soon undermining the noble teachings of the Teacher, and it looked as if the message had come to live for half a century alone, as if it was a dream of a moment. Where was the mercy that Mohammed proclaimed ? Gross tyranny and abject cruelty, appeared on the surface and for a moment it looked as if all was lost. A price must be paid for the preservation of Faith a very great price, great in proportion to the greatness of the Light that was sought to be retained and to be continued till the last moment of the earth's existence in space. A grand sacrifice, incomparable sacrifice was all that was required as a price. Someone must come forward to sell his all. Somebody must non-co-operate with the heathinish monarch, Yazeed-as must stagger humanity for all ages. Who dared indulge in Satyagraha against a mighty despot that was devoid of all pity ? God's earth did provide a great soul who stood up for Truth, Right, Justice, aye for the maintenance of the Divine Light thrown across the path by the Lord Mohammed. It was Hosain, the beloved grandson of Lord Mohammed who on the 10th day of Moharram in the year 61 Al Hijra sacrified all he had in the world at Karbala. There on the burning sand of the desert he faced his trial of torture which paled the martyrdom of the Lord Jesus. Here on the sands of Karbala Hosain the Prince of Martyrs, sacrified his sons, brothers, cousins, nephews, friends, a hundred souls, all within a few hours. No trial-mock or real-was held. A hundred thousand men of Tyrant demanded allegiance or death, and these good souls preferred death. Alone, helpless, suffering the pangs of thirst and hunger, wounded all over the body, the Prince of Martyrs did not even for a moment imagine that the Lord has forsaken him and died with the name of the Loving Lord on his lips, so that the message may live.

This is the Islamic month of Mohurram, the beginning of the Islamic year which commemorates the unique sacrifices of Hosain in human history.

message in language, the like of which was never heard before. From day to day, month to month, and from year to year, for a quarter of a century the Preacher preached under varying circumstances and at various places. He prayed, he beseached, he threatened, he implored, and after passing throug greath hardships, as indeed did those that came before him, he stood before his Maker, bowing in thankfulness for the fulfilment of his mission. From one end of mysterious Arabia to another was abolished, as if it never did exist before, the vices that ate through the vitality of the nation. They were purified with the sacred water of Islam, the path of absolute surrender to the Will that prevails in the Universe, the will of the All Merciful God, who loves His creatures, blesses and guides them. This supreme Lord, this Soul of the Infinite Universe, whom the Infinite Universe belongeth, and all that was beyond it, now was worshipped in place of matter. Islam of Mohammed liberated the nations from the slavery of heathenism, and from one end of the land to another, and passing over lands and seas, the cry went up. There was no God, but the One, the Absolute, and Mohammed was his chosen prophet, the seal of Prophethood, the best of men. In the twinkling of an eye, as it were, pagan Arabs were changed into a civilized and highly organized nation that cast off all the evils-growth of centuries--at a moment's notice. Even as the Master was acknowledging the homage of Princes and proud nobility, news was pouring in from all directions, from distant lands and various peoples on God's earth of the acknowledgement of the Truth, and the Voice was heard, when the mission was accomplished; when the way was perfected, completed and censecrated, the messenger departed.

Half a century passed. The evil sprit must needs revolt. Curious has been the construction of man's mind, it has always remained inscrutable. Human nature, and that is all known. The throne vacated by the Master was now occupied by a sprit that was yearning for the old pagan days. Verily, the temptations of the Evil One were triumphing. The muddy soul of this Prince that occupied

In the seventh century of the era ushered in by the meek Jesus the world presented one of such sickening spectacles of moral bankruptcy, of desperate ignorance and moral coma. In the land of the Pharaohs were forgotten the teachings of the ancient Seers, obliterated were the lessons of the Partriarchs, the code of Moses was a deadletter, and the Tora was merely a book of stories or an ornament in the shelf of the Synagogues. The gospel propagated by the early disciples of the Master of Bethelhem was confined to a few devoted souls who preferred oblivion and it was the Kingdom of Earth that was more eagerly sought than the Kingdom of Heaven. None sold his all, or anything, to follow the Lord, and the faith of no one made him or her whole. It was merely the vague remembrance of a dream of beautiful fantasies. Christianity as such had almost ceased to exist. India was forgetting the message of the Rishis of Love and Bhagti. The message was locked up in the breasts of the priest and over the noble foundation laid by the Rishis of the ancient Aryavart and by the great Gautama were erected structures of gross superstitions, heart-breaking Shakti worship and selfish menasticism. All the messages delivered by the high and mighty did at one time or another reach the mysterious land of Arabia, but none of the messages resounded there or reverberated for any length of time. In the seventh century, Arabia was enveloped, if anything, in denser darkness of ignorance. Its moral fabric was rotten to the core. The cry used to go up even as it did in the past—"Oh, Lord, how long ." Was God's beautiful earth to be left in the thick darkness of ignorance of moral depravity ? Was the loving name of the Creator going to be reduced to mockery expressed in the most revolting heathenism ? No: The mercy of the All Merciful was again to bless the denizens of the earth as it did bless in the days of yore. There appeared on the desert land of Arabia another Seer, another and a mightier and more loving torch-bearer of the Path Divine to proclaim once again the message of Love, to reunite once again mankind into a common brotherhood of faith to point out that the short, durated life on earth was merely a preparation for the blissful life of eternal hereafter. The great messenger delivered his

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 5 | JUNE & JULY, 1941. | No. 4 & 5.

TRAGEDY OF KARBALA

By S. S. H. R.

STUDENTS of history of the evolution of the human race must be familiar with the peculiar phenomena of the world's moral fabric periodically approaching a state of total deca y, and the conditions prevailing on every such occasion. Just when everything looks desparately hopeless and unmendable, a Voice is heard proclaiming the message of the Divine, leading mankind from the dense darkness of ignorance and moarl depravity into the light of Peace, towards the blissful path of Faith and Love.

History keeps repeating itself. Now it is the forgotten Seers of Egypt of hoary antiquity, now the Rishis of ancient India singing of the life beyond the mundane, here the venerable Patriarch Abraham proclaiming with all the force at his command that it was not the trees, the sun, the moon or the stars that were the Creator but parts of a vast creatian of the Great One Creator. There you will find Moses delivering his code of morals to the Israelites, to be followed shortly by the great soul, Christ Jesus who passes through miseries, sufferings and hardships, and proclaims his gospel of Love and Sacrifice. Mankind listens to these messages and obeys and follows the code, the Seers give them. For a few days, for a few centuries the name of the Holy God, the Lord of the Universe, is remembered and adored. The scene shifts with lightning rapidity, and even as the flash of lightning is followed by intense darkness, the family of human beings is once again surrounded by impenetrable darkness of ghostly ignorance, and a moral chaos once again prevails.

TESTIMONIAL

IT was a great pleasure to me to cultivate the acquaintance of Aga Abul Hasan Sahib Irani. He is astrologer, a man of letters and adept in the arrangement and manipulation of numbers. He has made a kind of a magic square containing 25 divisions which are again subdivided into 25 divisions each. These divisions contain titles and epithets of His Exalted Highness the Nizam of Hyderabad. The beauty of the arrangement is that each phrase which occupies a subdivision of the square represents a number according to the Abjad (ابجد) notation and the sum of each row or column of the square is the same. No description of mine can do full justice to this curious piece of work which can be only understood on inspection. The whole thing is very skillfully done and testifies to the great intellect and brainpower of the author. Agha Sahib also selects verses from the Holy Quran and prepares from them magic squares which he claims will serve as talismans to gain desired objects.

(Sd.) LACHMI NARAIN, M. A., DSc.,
Reader in Mathematics,
Lucknow University.

Dated:-
24th March 1939.

THE ISLAMIC WORLD

BUDAUN. U. P.

Vol. 5. **JUNE & JULAY, 1941** **No. 4--5.**

S. No. Special Features. Page No.

Regd. No. A. 378.

THE
ISLAMIC WORLD
BUDAUN. U. P.

Vol. 5. | JUNE & JULAY, 1941. | No. 4-5.

ANNUAL SUBSCRIPTION.

INDIA RS. 5/- SINGLE COPY (INDIA) -/8/-
FOREIGN RS. 7/- ... ... FOREIGN -/12/-

HONORARY EDITOR
Dr. S. E. A. SHAH NAQAVI.

MANAGER & PUBLISHER
ALI ASHRAF
Kazi Tola, BUDAUN.

Printed by L. Ram Saran Lal Rastogi at the Shanti Press, Budaun.